جلد 8 شمارہ 2 مئی 2006ء ربیع الثانی 1427ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

محبت — اللہ — صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

CPL No. 80

Registerd

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری** رح
بانی سلسلہ

ماہنامہ
آدمیت و فلاح
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 8 شمارہ 2 مئی 2006ء ربیع الثانی 1427ھ

قیمت ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

اللہ اور اِس کے رسول ﷺ کی محبت!

یہ مضمون سورہ کے آغاز میں مذکور ہے لیکن واقعاتی مناسبت، انبیاء کی شہادت اور عظمت کے باعث اِس کے تسلسل کی مناسبت یوں بنتی ہے کیونکہ تمام ادیان کی اصل روح، اللہ اور اِس کے رسولؐ کی محبت ہے۔ جتنے بھی انبیاء اور رُسل مبعوث ہوئے، وہ سب ایک ہی مقصدِ حیات لے کر آئے کہ اللہ کے ساتھ محبت کا تعلق جوڑو اُس سے اللہ جل شانہ کے ساتھ محبت کا شدید تعلق پیدا ہو گا۔ جب تعلق پیدا ہو گیا تو دل میں سب سے پہلے اللہ کی محبوب ترین مخلوق کی محبت پیدا ہو گی۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ رکھنے والوں کیلئے ایک ہی راستہ ہے۔ جس کی منزل اِتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہی منزل راہِ نجات ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ اِنْ کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

”اے نبیؐ! اُن کو بتا دیجئے کہ اگر تم (سچ مچ) اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اِتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“۔ (آلِ عمران۔30)

یعنی میری زندگی کو اپنا لو، میرے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لو۔ میری اداؤں کو اپنا لو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ گویا اللہ سے محبت کرنی ہے تو ایک ہی شاہراہ کھلی ہوئی ہے اور وہ شاہراہ اِتباعِ محمد ﷺ ہے۔

اِسی لئے انبیاء کرام سے عہد لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اِس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے، وہی فاسق ہے“۔

تعلیمِ حکمت

معلوم ہوا کہ تمام انبیائے کرام کا راستہ ایک ہی راستہ ہے۔ سب کے عقائد ایک ہی ہیں۔ اِس لئے کہ سب عقائد کا مصدر و منبع ایک اللہ کی ذات ہے۔ اُس نے سب کو ایک جیسی تعلیمات دی ہیں۔ بعد میں لوگوں نے اُن کو بدل ڈالا اور اُن میں تحریف کر ڈالی۔ یہاں ایک بات یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم کیساتھ حکمت کی تعلیم کا اہتمام بھی فرمایا:۔
کتاب کی عملی تشریح کو حکمت کہتے ہیں۔ یہی سیرت اور سنت ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ قرآنِ مجید اور حدیث میں حکمت کا بار بار ذکر آیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اُوتی خیرا کثیرا۔

"وجس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دے دی گئی"۔ (البقرہ۔269)

یہ کتاب وہ ہے جو ہمیں حکمت اور فکر و تدبر کی طرف بلاتی ہے اور بار بار یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اِس کائنات کو غور سے کریں کیونکہ یہ کتاب اندھی تقلید کا مطالبہ نہیں کرتی۔

اندھا عقیدہ

یہ کتابِ فرقان اندھا ہو جانے والوں کو کہتی ہے کہ تمہیں اندھا ہی اُٹھائیں گے۔ قرآنِ مجید اندھا بن کے نہیں رہنے دیتا۔ جانے یہ بات کہاں سے در آئی کہ مذہب اندھے عقیدے کا نام ہے۔ ہمارے ہاں بھی لوگ یہ کہتے پائے جاتے ہیں جبکہ اندھی تقلید کا تقاضا صرف وہی مذہب کر سکتا ہے جو سائنس اور حقائق کا سامنا نہ کر سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ کلیساء اور سائنس میں صدیوں تک باہم جنگ رہی، اس لئے کہ وہ یورپ میں ظلمات کا دور تھا۔ آخر کار مذہب کو شکست ہوئی تو اِس مذہب کو اندھے عقیدے کا سہارا لینا پڑا، کیونکہ اس کے پاس کوئی اور طریق کار موجود نہیں تھا۔ اسلام میں ایسی کوئی صورت حال نہیں۔ اسلامی عقائد حقائق پر مبنی ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے، سائنس مطالعہ فطرت ہے، دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ علم اور سائنس کی تاریخ ہے۔

حج کی فرضیت

سورۃ آل عمران میں اسلام کے پانچویں بنیادی رُکن حج کی فرضیت بیان ہوئی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۔ ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین ٥ (آل عمران۔97)

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے گھر کا حج کریں جو وہاں جانے

کی استطاعت رکھتے ہوں اور جس نے کفر اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے"۔

ایمان کی کسوٹی عمل ہے

اس آیتِ مبارکہ میں حج کی فرضیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ایمان یعنی توحید اور آخرت کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی عقائد بیان کئے جا رہے ہیں بلکہ صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ جس شخص نے کفر کیا یعنی جو حج پہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود نہ گیا، اُس کیلئے یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص جو حج کا فریضہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور اس کے باوجود اس فرض سے عہدہ برآ نہ ہو تو وہ شخص اللہ کے نزدیک کفر کا ارتکاب کر رہا ہے۔ یہاں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کا عملی تقاضا اور عملی شہادت اعمالِ صالحہ ہیں۔ وہ شخص جو ایمان کا دعویٰ کرے لیکن جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی دعوت **حی علی الصلوٰۃ ، حی علی الفلاح** پکاری جائے مگر وہ اللہ کی دعوت کے باوجود نماز کیلئے مسجد کی طرف جانا مناسب خیال نہ کرے تو عملاً وہ شخص کفر کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ یہی بات حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی:۔

"جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی، اس نے کفر کا راستہ اختیار کیا"۔

اور یہی بات زکوٰۃ کے بارے میں بھی کہی گئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، ان کو سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور تمام صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر کافر اور مرتد قرار دیا۔ وہ لوگ نہ صرف نماز پڑھتے، حج کرتے اور روزے رکھتے تھے بلکہ بقیہ تمام نیک اعمال بھی کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے فقط زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو اُن کو کافر قرار دیا گیا۔ بالکل یہی صورتِ حال حج کی بھی ہے۔ ایک شخص عملاً روگردانی کرتا ہے تو عملی طور پر وہ شخص کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن مجید میں 35 مختلف مقامات پر دیکھتے ہیں کہ ایمان اور عملِ صالح کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان موجود ہو تو اعمالِ صالحہ اس کا فطری اور لازمی نتیجہ ہوں گے اور اگر اعمال صالحہ ہی نہیں تو یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ ایمان یا تو ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو برائے نام ہے۔ ایمان وراثتی چیز نہیں۔ ہمارا المیہ یہی ہے کہ ہم میں سے ننانوے فیصد لوگ پیدائشی طور پر مسلمان ہیں۔ وہ صرف اس لئے مسلمان کہلاتے ہیں کہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنی مرضی سے مسلمان نہیں ہوئے۔ کسی شعوری عمل کے نتیجے میں ان کے ایمان قبول کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایمان اور

اعمالِ صالحہ ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ اگر عملِ صالح ایمان کی شہادت نہیں دیتا تو ایمان کا وجود مشکوک ہے۔

تقویٰ ووحدتِ ملت بذریعہ تدبر قرآن

ایمان کا لازم نتیجہ اعمالِ صالحہ ہیں۔ جب کسی کے دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے تو ساتھ ہی اعمالِ صالحہ بھی پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اعمال صالحہ کا نتیجہ تقویٰ کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسی لئے سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:۔

یایھا الذین امنوا اتقواللّٰہ حق تقتہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون٥

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم اور اطاعت شعار ہو''۔ (آل عمران۔102)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی اطاعت میں گزارو کہ جب چاہے، موت آجائے، تقویٰ صرف اِسی صورت میں حاصل ہوگا جب ہم اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت یعنی قرآن مجید پر پوری طرح عمل کریں گے۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا:۔

واعتصموا بحبل اللّٰہِ جمعیا ولا تفرقوا۔ (آل عمران۔103)

''کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو''۔

اِس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی بچے سے کہا جائے کہ دیکھو بیٹا محنت کرو اور کامیاب ہو جاؤ۔ یہ دو الگ الگ حکم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ محنت کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ، یہاں بھی وہی صورتحال ہے۔ معلوم ہوا کہ تفرقہ بازی میں پڑنے کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی اِس رسی یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے نہیں تھاما۔ ہم نے اس کو پڑھا ہی کب؟ اِسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ قرآن پڑھنے سے قبل **اعوذ باللّٰہ** پڑھ کر شیطان سے اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ شیطان کی سب سے بڑی چال یہ ہے کہ ہم پڑھیں ہی نہیں اور اگر پڑھیں تو بلا سوچے سمجھے پڑھیں اور اِس پر کبھی غور وفکر نہ کریں۔

اللہ ربُ العزت فرماتے ہیں:۔

افلا یتدبرون القراٰن ام علیٰ قلوب اقفالُھا٥

''یہ لوگ قرآن پر تدبر کیوں نہیں کرتے۔ کیا اِن کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں''۔

تفرقہ کا خاتمہ کیونکر ہو؟

اگر ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں گے تو ہمیں متحد ہونے کی ٹھوس بنیاد مل جائے گی اور اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہ تھاما اور اُس کے کلام کو نہ سمجھا، نہ جانا اور نہ مانا تو ہم بکھر کر منتشر ہو کر فرقہ فرقہ ہو جائیں گے۔

یہاں دو چیزوں کا حکم ہے ایک تقویٰ اور دوسرا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا جس کا نتیجہ وحدتِ ملت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ہماری انفرادی اور ملی ترقی کے یہی دو اصول ہیں اور جب ہم ان پر عمل کریں گے تو اختلافات اور فسادات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اگر ہم متقی ہوں گے، اللہ سے اخلاص ہوگا اور اس رسی کو مضبوطی سے تھامیں گے تو پھر اتحاد ہو جائے گا اور یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے:۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً ۔ و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذالک یبین اللہ لکم ایته لعلکم تهتدونo (آلِ عمران۔103)

"اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دل موڑ دیئے اور اُس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ تمہیں ان علامتوں سے سیدھا راستہ نظر آجائے"۔

اتحاد اور بھائی چارے کا حکم دینے کے بعد اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو تنبیہہ بھی کر دی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا اور فرقہ فرقہ ہو گئے تو نتیجہ برا ہوگا۔

ارشاد فرماتے ہیں:۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءهم البینت ۔ وأولئك لهم عذاب عظیمo (آل عمران:105)

"کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کُھلی کُھلی ہدایات کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہو گئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی، وہ اُس روز سخت سزا پائیں گے"۔

مسلمانوں پر خلافت کی ذمہ داری

تقویٰ واتحاد کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

كنتم خير أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تومنون بالله (آل عمران: 110)

''(اب دنیا میں وہ) بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کیلئے (میدان میں) لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

یعنی اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور تفرقے میں نہ پڑے تو پھر تم ہی وہ بہترین گروہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کیلئے چن لیا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی بعثت کے بعد انبیائے کرام کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اُمت محمدیہ ہی تمام انبیاء کی جانشین ہے۔ وہ کام جو کبھی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا نبی آ کر کیا کرتا تھا، وہ سلسلہ ختم ہوا۔ اب کارِ نبوت یعنی بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنے کا کام اُمت محمدیہ ہی کو کرنا ہے جو خلافت کیلئے چن لی گئی ہے۔ یہ اہلیت اس وقت آئے گی جب ہم میں تین صلاحیتیں پیدا ہوں گی۔

1۔ ایمان شعوری طور پر خود کمانا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے اور

3۔ محبتِ الٰہی کے نشہ میں خود کو رنگ کر میدانِ کار میں اُترنا ہے۔

اِسی لئے ارشاد ہوتا ہے:۔

ولو امن اهل الكتب لكان خيرًا لهم -

''اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے (اور تمہاری دعوت پر لبیک کہتے) تو اُنہی کے حق میں یہ بہتر تھا''۔ (آل عمران: 110)

تقویٰ اور وحدت

اس کے بعد جو بات کہی جارہی ہے، وہ بہت معنی خیز ہے یعنی یہ کہ ہم تمہیں میدان میں لے آئے اور تمہارے ذمے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فرض سونپ دیا گیا تو یہ مت سوچنا کہ تمہاری تبلیغ اور دعوت صدا بصحراء ثابت ہوگی۔ اپنی اصلاح کر لو۔ اپنی صفیں درست کرلو۔

تقویٰ اور قرآن کے ذریعے ذاتی اصلاح کے بعد دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے پوری انسانیت کی اصلاح میں لگ جاؤ۔ اور اگر تم ایسا کر لو گے تو اللہ کی طرف سے بشارت ہے کہ تم سر بلند اور سُرخرو ہو جاؤ گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير و يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر ۔ وأولئك هم المفلحون٥ (آلِ عمران:104)

''تم میں کچھ لوگ ایسے تو ضرور ہونا چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے''۔

اگر چہ اِس فرض کی ادائیگی میں مشکلات آئیں گی لیکن اُن کا سامنا کرنا ہو گا اور کامیابی اور سربلندی تمہارے قدم چومے گی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون إن كنتم مومنين۔

''اور پست ہمت نہ ہو اور غم نہ کرو (اگر) تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے'' (آلِ عمران 139)

سُود کی حرمت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يا يها الذين امنوا لا تاكلوا الربوا اضعافا مضعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون٥

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا ہوا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ شاید کہ تم فلاح پا جاؤ''۔ (آلِ عمران:130)

یہاں میں سود کے بارے میں چند باتیں عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں اکثر لوگ سود کا متبادل دریافت کرتے ہیں۔ اُن کے جواب کیلئے عرض ہے کہ سودی نظام تو جمعہ جمعہ آٹھ دِن کی پیداوار ہے۔ اِسے شروع ہوئے زیادہ

عرصہ نہیں گزرا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نظام کے نفاذ سے قبل پوری دنیا میں سود بحیثیت نظام کے موجود نہ تھا۔ مسلمانوں کی حکومت ہی کو لیجئے۔ اُنہوں نے ایک ہزار سال تک دنیا بھر میں حکمرانی کی ہے۔ اُن کے ادوارِ حکومت میں قومی سطح پر بھی تجارت ہوتی تھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی تجارتی کاروبار ہوا کرتا تھا، بینکنگ کا سلسلہ بھی موجود تھا اور سٹیٹ انشورنس بھی مروج تھی لیکن سود کہیں نہ تھا۔ سود کے بغیر نہ کاروبارِ حیات رُکا اور نہ کاروبارِ مملکت متاثر ہوا۔ بہرحال اسلامی عہد میں غیر سودی سلسلہ ایک مکمل نظام کے طور پر موجود تھا۔ صرف ہمیں اسلامی تاریخ کے اوراق کو کھنگالنا پڑے گا۔ کچھ تحقیق سے کام لینا پڑے گا۔ تب جا کر بات بنے گی۔

یہ دعویٰ عہدِ حاضر کا سب سے بڑا جھوٹ ہوگا کہ سود کا متبادل نظام اہلِ علم و دانش نے پیش ہی نہیں کیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ علمائے کرام متبادل نظام پیش کر چکے ہیں۔ 1980ء میں حکومت پاکستان کی متعین کردہ اسلامی نظریاتی کونسل نے سود کے متبادل نظام پر انتہائی عمدہ رپورٹ شائع کی ہے۔ مگر

تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

یہ رپورٹ میرے پاس تو موجود ہے لیکن اسے عامۃ الناس سے مخفی رکھا گیا ہے۔ دنیا بھر کے علماء اور اسلامی نظریاتی کونسل مبارک کی مستحق ہے کہ اُس نے دنیا میں سود کا متبادل نظام پیش کر دیا ہے۔ ہمارے بیوروکریٹ، اقتصادی ماہرین اور قانون سازوں کو اس رپورٹ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور قانون ساز اداروں کو اس معاملے میں زیادہ سنجیدگی اختیار کرنا چاہئے۔

آدمی اندر جہانِ خیر و شر
کم شناسد نفعِ خود را از ضرر
کس نداند زشت و خوب کار چیست
جادہ ہموار و ناہموار چیست
گر جہاں داند حرامش را حرام
تا قیامت پختہ ماند ایں نظام

سود کے بارے میں ایک اہم نکتہ

سود کے بارے میں دِلچسپ نکتہ پیش خدمت ہے۔ ذرا غور فرمایئے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان دنیا کی امیر ترین قوم ہیں۔ دنیا کا امیر ترین شخص بھی مسلمان ہی ہے۔ اِسی طرح امیر ترین ملک بھی مسلمانوں ہی کا ہے۔ معدنی وسائل اور ذرائع جو مسلمانوں کی ملکیت ہیں، وہ کسی دوسرے ملک یا قوم کے پاس نہیں۔ اِسلامی ممالک کی دولت اور سرمایہ جو سود پر دیا گیا ہے، وہ اربوں، کھربوں بلکہ پدموں کی حد تک یورپی اور امریکی بینکوں میں جمع ہے۔ اگر یہ مسلم سرمایہ سود پر نہ دیا جاتا اور اِس سے صحیح طریقے سے سرمایہ کاری کی جاتی تو آج کوئی مسلمان ملک غریب نہ ہوتا۔ ہماری غربت کا واحد سبب سود کی لعنت ہے۔ تیل کی تمام تر دولت کا دھارا مغربی بینکوں میں چلا جاتا ہے، جہاں سے سود ملتا ہے اور ہماری مسلم اقوام عالمی اداروں کی امداد کی طرف دیکھتی ہیں اس دولت پر وہ ہمیں صرف 15 فیصد سود دیتی ہیں مگر ہماری رقم اور سرمائے سے جو مشینری اور سامان تیار کر کے ہمیں بیچتے ہیں، اُس پر ہزاروں گنا نفع وصول کرتے ہیں۔ یہ معمولی سا حساب کتاب اگر ہماری سمجھ سے باہر ہے تو ہم سے بڑا دنیا میں نادان اور کون ہوگا؟

اے زکارِ عصر حاضر بے خبر
چرب دستی ہائے یورپ را نگر
قالیں از ابریشم تو ساختند
باز اُو را پیش تو انداختند

اِس سے قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خیر اُمت قرار دینے کے بارے میں ذکر ہو رہا تھا۔ اِس میں پہلے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اللہ کی مضبوط رسی یعنی قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لو، تاکہ تم تفرقے بازی کا شکار نہ ہو جاؤ اور اتحاد و وحدت تمہارا نصیب ٹھہرے۔ یہاں تک تو ذاتی اصلاح کی بات تھی، اِس کے بعد فرمایا کہ "تم وہ بہترین اُمت ہو، جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اِنفرادی اِصلاح کے بعد اجتماعی اصلاح کیلئے تبلیغ دین کا حکم ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کی

طرف سے یہ وعدہ ہے کہ تم تبلیغ دین کا جو بھی کام کرو گے وہ صدا بصحرا ءثابت نہیں ہوگا۔ اس کے نتائج یقیناً بہتر ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یایها الذین امنوا لا تاکلو الربوا اضعافا مضعفة واتقوالله لعلکم تفلحون ٥

واتقو النار التی أعدت للکفرین ٥

واطیعوا الله والرسول لعلکم تُرحمون ٥

وسارعو اِلی مغفرة من ربکم وجنة عرضها السموتُ والارض أعدت للمتقین ٥

الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ٥

والذین اِذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم ذکروا اللّٰهَ فاستغفرُوا لِذُنوبهم ومن یغفر الذُّنُوب اِلا الله ولم یُصروا علی ما فعلوا وهم یعلمونَ ٥

اُولٓئك جزآؤهم مغفرة من رَّبِهِمْ وجنت تجری من تحتها الانهر خٰلِدِیْنَ فیها و نعم اَجرُ العٰمِلِیْنَ ٥

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ٥

هٰذَا بیانٌ للناس وهدی وَّمَوْعِظَةٌ اِن کنتم مومنین ٥

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون اِن کنتم مومنین ٥ ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله ط وتلك الایام نداولها بین النّاس ولیعلم الله الذین امنوا ویتخذ منکم شهداءَ واللّٰهُ لا

یحبُّ الظّٰلمین٥

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور اِس کے رسول ﷺ کا حکم مانو۔ توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑ کے چلو اِس راہ کی طرف جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس راہ کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمان جیسی ہے اور وہ اِن خدا ترس لوگوں کیلئے مہیا کی گئی ہے، جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ خواہ بدحال ہوں یا خوشحال۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی فحش کلام اُن سے سرزد ہو جاتا ہے یا وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے اُوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو معاً اللہ تعالیٰ انہیں یاد آ جاتے ہیں اور وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہنے لگ جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو۔ وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزاء اُن کے رب ہی کے پاس ہے کہ اُن کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کر لے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کیلئے۔ تم سے پہلے بہت سے ادوار گزر چکے ہیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ اِن لوگوں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام و ہدایت کو جھٹلایا۔ یہ لوگوں کیلئے صاف اور صریح تنبیہہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں، اُن کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے، دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اِس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو ایسی ہی چوٹ اِس سے قبل تمہارے مخالفین کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اِس لئے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں؟ اور اُن لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا، جو واقعی راستی کے گواہ ہوں، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں''۔ (آل عمران 130-140)

توہینِ رسالت اور اُس کی سزا

(محمد الیاس اظہر الازہری)

قرآن پاک کے پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" جو لوگ اللہ اور اِس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اِن پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور اُن کیلئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے"۔ اللہ کو اذیت دینے سے مراد دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ اُس کی نافرمانی کی جائے، اُسکے مقابلے میں کفر و شرک اور دہریت کا رویہ اختیار کیا جائے اور اُس کے حرام کو حلال کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اُس کے رسول کو اذیت دی جائے کیونکہ جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اِسی طرح رسولؐ پر طعن خدا پر طعن ہے، رسول کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

لعنت کے لغوی معنی **بعد عن الرحمة** یعنی خدا کی رحمت اور شفقت سے دوری ہے۔ گویا جس طرح شیطان اللہ کی رحمت سے محروم ہے بعینہٖ شاتمِ رسول بھی اللہ کی رحمت سے بعید اور اُس کے غیظ و غضب کا مستحق ہے۔

اِسی لئے علماءِ اُمت نے ذاتِ رسولؐ سے متعلق بہت احتیاط سے کام لیا ہے چنانچہ یہ مقولہ تو زبان زدِ خاص و عام ہے کہ ۔ باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے میں دیوانگی کی حد تک جایا جا سکتا ہے مگر آقائے نامدارؐ سے محبت بقائمی ہوش و حواس ضروری ہے کیونکہ بقولِ شاعر۔

ادب گاہ ست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اِس سلسلے میں قرآنِ پاک میں چند مقامات پر مختلف رویوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن کی روشنی میں بخوبی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کون کون سے رویے حبِ رسولؐ کے منافی اور گستاخی کے زُمرے میں آ سکتے ہیں۔

1۔ حضورؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا

سورہ الحجرات آیت نمبر ۲ پارہ ۲۲ میں حکم ہے کہ" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی نبیؐ کے ساتھ اُونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں

ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔

یہ وہ ادب ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو سکھایا گیا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان آپ کا انتہائی احترام ملحوظ رکھیں۔

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذات رسول ؐ کی عظمت کا کیا مقام ہے۔ رسول پاک ؐ کے سوا کوئی شخص، خواہ بجائے خود کتنا ہی قابل احترام ہو، بہر حال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اُس کے ساتھ بے ادبی خدا کے ہاں اُس سزا کی مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک بدتمیزی ہے، خلاف تہذیب حرکت ہے۔ مگر رسول ؐ کے احترام میں ذرا سی کمی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اُس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ آپ کا احترام دراصل اُس خدا کا احترام ہے جس نے آپ ؐ کو اپنا رسول بنا بھیجا ہے اور آپ ؐ کے احترام میں کمی کے معنی خدا کے احترام میں کمی کے ہیں۔

2۔ آدابِ محفل کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا

سورہ النور آیت نمبر ۶۳ پارہ ۱۸ میں ایک قدم مزید بڑھایا گیا کہ "مسلمانو! اپنے درمیان رسول ؐ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو"۔ اس آیت کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ "رسول ؐ کے بلانے کو عام آدمیوں میں سے کسی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو" یعنی رسول کا بلاوا غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرا کوئی بلائے اور تم لبیک نہ کہو تو تمہیں آزادی ہے۔ لیکن رسول ؐ بلائیں اور تم نہ جاؤ۔ یا دل میں ذرہ برابر بھی تنگی محسوس کرو تو ایمان کا خطرہ ہے۔ دوم یہ کہ "رسول ؐ کی دُعا کو عام آدمیوں کی سی دُعا نہ سمجھو" وہ تم سے خوش ہو کر دُعا دیں تو تمہارے لئے اِس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور ناراض ہو کر بددُعا دے دیں تو تمہاری اِس سے بڑھ کر کوئی بد نصیبی نہیں۔ سوم یہ کہ "رسول ﷺ کو پکارنا عام آدمیوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ ہونا چاہیے" یعنی تم عام آدمیوں کو جس طرح اُن کے نام لے کر بآوازِ بلند پکارتے ہو اُس طرح رسول اللہ ﷺ کو نہ پکارا کرو۔ اس معاملے میں اُن کا انتہائی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ذرہ سی بے ادبی بھی اللہ کے ہاں مواخذہ سے نہ بچ سکے گی۔

اِس مفہوم کی مزید وضاحت سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 5 میں اس طرح کی گئی کہ "اے نبی ؐ

جو لوگ آپؐ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ حضورؐ کے عہد مبارک میں اکثر صحابہ کرامؓ آپؐ کے آرام کے اوقات میں ملاقات کیلئے نہیں آتے تھے لیکن احادیث میں متعدد ایسے واقعات آتے ہیں کہ اطراف عرب سے آنے والے بعض ایسے ان گھڑ اور ناشائستہ لوگ بھی آپ سے ملاقات کیلئے بے وقت ازواج مطہرات کے حجروں کا چکر کاٹ کر باہر ہی سے آپ کو بلند آواز سے پکارتے پھرتے تھے۔ حضورؐ اپنے طبعی حلم کی بناء پر کچھ نہ کہتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس ناشائستہ طرزِ عمل پر ملامت کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو بے عقل کہا ہے۔

3۔ حضورؐ کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کرنا

مدینہ منورہ میں جب یہودی حضورؐ کی مجلس میں آتے تو بظاہر ادب واحترام کرتے مگر دل میں نفرت کی بناء پر زبان سے ذو معنی الفاظ بولتے جن میں توہین کا پہلو بھی نکلتا تھا۔ مثلاً سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۰۴ میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو''**رَاعِنَا**'' نہ کہا کرو، بلکہ ''**اُنظُرنَا**'' اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو **عَذَابٌ اَلِیمٌ** کے مستحق ہیں''۔ یہودی جب آنحضرتؐ کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام اور کلام میں ہر ممکن طریقے سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذو معنی الفاظ بولتے، زور سے کچھ کہتے اور زیر لب کچھ اور کہہ دیتے اور ظاہری ادب آداب برقرار رکھتے ہوئے درپردہ آپؐ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ قرآن میں آگے چل کر اسکی متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں جس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے، یہ ایک ذو معنی لفظ تھا۔ جب آنحضرتؐ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو بھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریئے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجئے تو وہ **رَاعِنَا** کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجئے یا ہماری بات سن لیجئے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا، جس کے معنی تھے۔ ''سن، تو بہرا ہو جائے'' اور خود عربی میں اس کے ایک معنی صاحب رعونت اور جاہل واحمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا۔ جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو، تو ہم تمہاری سنیں اور ذرا زبان کو لپکا دے کر ''**رَاعِینَا**'' بھی بنا لیا جاتا تھا۔ جس کے معنی ''اے ہمارے چرواہے'' کے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے ''**اُنظُرنَا**''

کہا کرو۔ یعنی ہماری طرف توجہ فرمایئے۔ یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجئے۔ پھر فرمایا کہ ''توجہ سے بات کو سنو''۔ یعنی یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور اُن کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات میں اُلجھے رہتے ہیں، مگر تمہیں غور سے نبی کی باتیں سُنی چاہیں تا کہ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔

4۔ اللہ اور اِس کے رسولؐ کا دشمن مسلمان دوست نہیں ہوسکتا

کہتے ہیں کہ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ اِس طرح دوست کا دشمن بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص آپ کے دوست کا دشمن ہے وہ آپ کا مخلص دوست ہو؟ اسی اصول کے تحت سورہ المجادلہ آیت نمبر ۲۲ پارہ ۲۸ میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی، یا اُن کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے اُن کو قوت بخشی ہے''۔

اِس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ایک بات اصولی ہے اور دوسری امرِ واقعی کا بیان۔ اصولی بات یہ ہے کہ دینِ حق پر ایمان اور اعدائے دین کی محبت، دو بالکل متضاد چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ اجتماع کسی طرح قابلِ تصور نہیں ہے۔ یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایمان اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ کی محبت ایک دل میں جمع ہو جائیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک آدمی کے دل میں اپنی ذات کی محبت اور اپنے دشمن کی محبت بیک وقت جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ایمان کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اُس نے ایسے لوگوں سے محبت کا رشتہ بھی جوڑ رکھا ہے جو اسلام کے مخالف ہیں، حضورؐ کے منکر اور گستاخ ہیں تو یہ غلط فہمی کسی کو ہرگز نہیں لاحق ہونی چاہیے کہ شاید وہ اپنی اس روش کے باوجود ایمان کے دعوے میں سچا ہو!۔ اِس طرح جن لوگوں نے اسلام اور مخالفین اسلام، حضورؐ اور اُنؐ کے مخالفین سے بیک وقت رشتہ جوڑ رکھا ہے وہ خود بھی اپنی پوزیشن پر غور کرلیں کہ وہ فی الواقع کیا ہیں؟ مومن ہیں یا منافق؟ اور فی الواقع کیا ہونا چاہتے ہیں؟ مومن بن کر رہنا چاہتے ہیں یا منافق؟ ایمان تو اُن سے دوٹوک فیصلہ چاہتا ہے۔ مومن رہنا چاہتے ہیں تو ہر اُس رشتے اور تعلق کو قربان کر دیں جو اسلام کے ساتھ ان کے تعلق سے متصادم ہوتا ہو۔ اسلام

کے رشتے سے کسی اور رشتے کو عزیز تر رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ ایمان کا جھوٹا دعویٰ چھوڑ دیں۔ یہ تو ہے اصولی بات۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے اصول بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر واقعی کو بھی ہر مدعی ایمان کے سامنے نمونے کے طور پر پیش فرما دیا ہے کہ جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے اُن تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ کے دین کے ساتھ اُن کے تعلق میں حائل ہوئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو بدر و اُحد کے معرکوں میں سارا عرب دیکھ چکا تھا۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے صحابہ کرامؓ صرف خدا اور اُس کے دین کی خاطر خود اپنے قبیلہ اور قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے بالترتیب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔

5۔ جو شخص رسول اللہؐ کے فیصلے کو نہ مانے وہ منافق ہے اور اسکی سزا موت ہے

سورہ النساء آیات نمبر ۶۰ تا ۶۵ میں بتایا گیا ہے کہ:۔ ''اے نبیؐ، آپؐ نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو آپؐ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اُن کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔ مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کیلئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دُور لے جانا چاہتا ہے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسولؐ کی طرف تو اُن منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب اُن کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت اُن پر آ پڑتی ہے؟ اُس وقت یہ آپؐ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض مت کرو، انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اُتر جائے۔ انہیں بتاؤ کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بناء پر اُس کی اطاعت کی جائے۔ اگر

انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کیلئے معافی کی درخواست کرتا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ نہیں، اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں"۔

ان آیات میں اُس تاریخی واقعے پر تبصرہ کیا گیا ہے جس میں ایک "مسلمان" اور یہودی نے اپنا جھگڑا رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ نام نہاد مسلمان کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے یہودی حریف کو حضرت عمرؓ سے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کرانے کیلئے آمادہ کیا۔ چنانچہ دونوں فریق حضرت عمرؓ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے، دستک دی اور حضرت عمرؓ باہر تشریف لائے اور پورا ماجرا سننے کے بعد واپس گھر کے اندر گئے اور تلوار لے کر باہر آئے اور یہ کہتے ہوئے اُس منافق مسلمان کا سر قلم کر دیا کہ "جو شخص حضورؐ کے فیصلے کے بعد عمرؓ سے فیصلہ کرانا چاہے گا، اُس کا فیصلہ یہی ہے"۔ اس واقعے کے بعد اُس منافق کے رشتہ داروں نے "چوری اور سینہ زوری" کے بمصداق حضورؐ کی بارگاہِ اقدس میں حضرت عمرؓ سے قصاص یا دیت لینے کا مقدمہ دائر کر دیا۔

حضورﷺ بھی حضرت عمرؓ کے فعل سے بہت پریشان ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل کر کے معاملہ صاف کر دیا کہ یہ تو آپؐ کا فیصلہ ٹھکرا کر" خدا کی قسم مسلمان ہی نہیں رہے"۔ چہ جائیکہ ان کی بات سنی جائے اور قصاص یا دیت دی جائے۔ (جاری ہے)

(قندِ مکرر)

روح اوراس کے رنگ

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی مجالس میں کبھی کبھی ذاتی مشاہدات اور روحانی کیفیات بھی بیان کرتے تھے۔ راقم الحروف کو اِس سلسلے میں جو کچھ سننے کا اتفاق ہوا وہ سالکین کی راہنمائی کیلئے تحریر کیا جارہا ہے۔ ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔

''میں نے بہت کم چیزیں دیکھی ہیں۔ میں بنیادی طور پر تدبر و تفکر کرنے والا ذہن رکھتا ہوں۔ اللہ میاں نے ہمیں پیر بنانا تھا اس لئے تھوڑی بہت سیر کرادی تا کہ سالکین کی راہنمائی کر سکوں۔ ابتدائی دور میں جب خوب زوردار ذکر چلتا تھا تو جب آنکھیں بند کرتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے آنکھوں پر کہیں سے کسی ٹارچ کی بڑی تیز روشنی ڈالی جارہی ہے۔ آنکھیں کھولتے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ میں آنکھیں بند کئے ہوئے مراقبہ میں بیٹھا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے دل سے ایک نور کی شعاع نکلی اور سیدھی اوپر جاکر آسمان پر چاند کی صورت اختیار کرگئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ تمہاری روح ہے پھر وہ شعاع سمٹ کر دوبارہ میرے دل میں داخل ہوگئی۔ پھر دل سے دو شعائیں نکلیں اور آسمان پر حدنگاہ تک جاکر مل گئیں۔ اِس طرح ایک نورانی مستطیل سی بن گئی۔ پھر اِس میں تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر اِس طرح عمودی اور اُفقی لکیریں لگ گئیں کہ لاتعداد چھوٹے چھوٹے مربعے بن گئے۔ پھر اِن مربعوں میں مختلف رنگ بھر دیئے گئے یہ دلفریب منظر دیکھ کر میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ تمہاری روح کے رنگ ہیں۔ تم سے ہر طبقہ اور ہر رنگ کے لوگوں کو فیض ملے گا۔ شریعت کے پابند لوگوں کے علاوہ قلندر اور رند قسم کے لوگ بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی آپ سے راہنمائی حاصل کریں گے۔

اِس طرح یہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مسلک بہت وسیع ہے اور ہم ''سب رنگ'' فقیر ہیں۔

(قندِ مکرر)

ادب بارگاہِ رسالتؐ

(سید ابوبکر غزنویؒ)

قرآن مجید کے تیس پاروں میں کسی ہستی کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی اِس قدر شدت اور شرح وبسط سی تلقین نہیں کی گئی جس قدر حضور اقدس علیہ ﷺ کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروالہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ (الحجرات۔2)

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اُونچا مت ہونے دو اور اِن کے ساتھ بلند آواز سے بات مت کیا کرو جیسا کہ تم آپس میں زور زور سے بولتے ہو۔اگر تم نے ایسا کیا تو اِس سوادب کی پاداش میں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہو گی''۔

یعنی تمہاری نمازوں اور روزوں کو لے کے میں کیا کروں اور تمہاری عبادت اور ریاضت سے مجھے کیا حاصل، اگر میرے محبوب کی بارگاہ میں بات کرنے کا سلیقہ تمہیں نہیں ہے۔صحیح بخاری میں ہے۔

کادالخیران یھلکا ابوبکر و عمر رفعا اصواتھما عند النبی ﷺ

(دو نیک آدمی یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ ہلاک ہونے کو تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازیں بلند کیں)۔

جب آپ کے پاس بنوتمیم کے سوار آئے۔ایک نے کہا کہ اقرع بن جالس جو قبیلہ بنی مجاشع سے ہے،امیر مقرر ہو۔دوسرے نے کسی اور آدمی کے بارے میں اشارہ کیا۔نافع بن عمر کہتے ہیں مجھے اِس کا نام یاد نہیں رہا۔حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا **ماردت الاخلافی** تیرا مقصد محض میری مخالفت کرنا ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا میرا مقصد تمہاری مخالفت نہیں ہے اِن دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھاالذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم (الحجرات۔20)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ اب میں رسول اللہ ﷺ سے بات

اتنی دھیمی آواز سے کروں گا جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو، اور حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر آہستہ آواز سے بات کرتے تھے کہ حضور ﷺ بار بار پوچھتے کہ عمرؓ تم کیا کہہ رہے ہو؟

صحیح بخاری ہی میں حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کی مجلس میں غیر حاضری کو محسوس کیا۔ ایک شخص نے کہا۔ میں آپ ﷺ کو ان کی خبر لا دیتا ہوں۔ وہ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے؟

ثابتؓ نے کہا

شر کان یرفع صوته فوق صوت النبی ﷺ فقد حبط عمله وهو من اهل النار ○

''حال برا ہے ثابت اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز سے بلند کیا کرتا تھا، اس کے عمل غارت ہو گئے اور وہ دوزخی ہو گیا''۔

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ وہ یوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس سے جا کر کہو۔

انک لست من اهل النار ولکنک من اهل الجنته (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸)

''تم اہل دوزخ میں سے نہیں، تم جنت میں جانے والوں میں سے ہو''۔

یعنی آیت کا وہ مطلب نہیں جو ثابتؓ نے سمجھا۔ گستاخی سے حضور ﷺ کی موجودگی میں شور کرنا سوادب ہے اور جو پیدائشی طور پر پاٹ دار آواز رکھتا ہو وہ معذور ہے۔

پھر اس آیت کے ساتھ ہی اگلی آیت میں وضاحت کی کہ تقویٰ اور پرہیز گاری تو یہ ہے کہ میرے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں تم شائستگی سے اور دھیمی آواز سے بات کرو۔

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوی ○ (الحجرات۔3)

''یقیناً وہ لوگ جو بارگاہ رسالت میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کیلئے جانچ لیا ہے''۔

قبیلہ بنو تمیم کے چند لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوپہر کے وقت مکان پر ملنے کی خاطر آئے۔ آپ اس وقت سو رہے تھے۔ آپ ﷺ کا نام لے لے کر پکارنے لگے۔ آیت

نازل ہوئی۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلونo(الحجرات۔4)

''وہ لوگ جو کمروں سے باہر کھڑے ہو کر آپ کو آوازیں دیتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ بوجھ سے عاری ہیں''۔

پہلی اُمتیں اپنے انبیاء کو نام لے کر پکارتی تھیں۔قرآن مجید میں ہے کہ بنو اسرائیل نے کہا **یاموسیٰ لن نصبر علی طعام واحد** (البقرہ۔61)''اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر قناعت نہیں کریں گے''اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا تھا۔

یا عیسیٰ ابن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء (المائدہ۔114)

''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب ہمارے لئے آسمان سے رزق اُتار سکتا ہے''۔

مگر وہ تو سید الاولین وسید الاخرین تھے۔وہ تو سرور دنیا و دیں تھے۔وہ تو حبیب رب العالمین تھے۔پس اللہ نے اُمت محمدیہ کو حضور ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا۔سورہ نور میں ہے۔

لا تجعلوا دعاالرسول بینکم کدعا بعضکم بعضا (النور۔۶۳)

''جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو پیغمبر کو یوں نہ پکارو''۔

تفسیر در منشور میں ہے کہ ابو نعیم عبداللہ بن عباسؓ سے اِس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں کہ اِس آیت کے اُترنے سے پہلے لوگ حضور ﷺ کو یا محمد اور یا ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے اس آیت کے اُترنے کے بعد صحابہ کرام آپ کو یا نبی اللہ اور یارسول اللہ کہہ کر پکارنے لگے۔

غور کیجئے کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں جیسے توحید کا تصور آخری ارتقائی منازل سے گزرا اور ہر اعتبار سے بے داغ،صاف ستھرا اور جامع ہو گیا اور شرک کی تمام راہوں اور تمام وسائل اور ذرائع کو بند کر دینے کیلئے وہ تمام اقوال واعمال جو **مھجر الی الشرک** ہو سکتے تھے،بھی ناجائز قرار دیئے گئے اِسی طرح انبیاء اور اہل اللہ کا ادب بھی آخری ارتقائی منازل سے گزرا۔بارگاہ رسالت کے آداب بھی نکھرے،تہذیب وشائستگی اور احترام کی کئی لطافتوں اور باریکیوں کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔

اگر اللہ یہ چاہتا کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا جائے تو اس کی یہ مشیت عدل اور انصاف پر مبنی ہے، جب وہ خود خدا ہو کر انہیں نام لے کر خطاب نہیں کرتا ہے، تو بندوں کو کیا حق حاصل ہے کہ انہیں نام لے کر پکاریں۔ اللہ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کو اِن کے ذاتی ناموں سے خطاب کیا۔

یا ادم اسکن انت وزوجک الجنة (سورہ البقرہ۔۳۵)

اے آدم تو اور تیری بیوی بہشت میں رہو۔

یا نوح اھبط بسلام منا (ہود)

اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اُتر جا۔

یا ابراھیم قدصدقت الرویا (والصفت ۱۰۵)

اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

یا موسیٰ انی انا ربک خلع نعلیک (طہ۔۱۲)

اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار، تو اُتار ڈال اپنی جوتیاں۔

یا عیسیٰ اِنی متوفیک ورافعک الی (ال عمران۔55)

اے عیسیٰ! میں دنیا میں تیرے رہنے کی مدت پوری کروں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھالوں گا۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفہ فی الارض (ص۔۲۶)

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین پر اپنا نائب بنا دیا۔

یا زکریا انا نبشرک بغلم ن اسمہ یحیی (مریم۔7)

اے زکریا! ہم تجھے بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے۔

یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ (مریم۔۱۲)

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھامو۔

قرآن مجید کو بسم اللہ سے لے کر والناس تک پڑھ ڈالیے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی ذاتی نام سے خطاب نہیں کیا۔ کہیں **یا ایھا الرسول** کے خطاب عزت سے نوازا۔ کہیں **یا ایھا المزمل** کی صدائے محبت سے پکارا اور کہیں **یا ایھا المدثر** شفقت سے سرفراز۔

میں ان آیتوں کا ذکر کر رہا ہوں، جن میں بارگاہ رسالت کے احترام کی تلقین کی گئی ہے اور

جن میں ان کی تعظیم کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ فرمایا

یاایھا الذین امنو لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقو اللہ ان اللہ سمیع العلیم ٥ (الحجرات۔1)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے''۔

اس آیت میں یہ تلقین کی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے سامنے اپنی بات پیش نہ کرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قول یا عمل میں پیش قدمی نہ کرو۔ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے پہلے عید الاضحیٰ پر قربانی کی تو ان سے کہا گیا کہ آپ سے پیش قدمی نہ کریں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اگر روزے کے بارے میں شک ہو اور رسول اللہ ﷺ روزہ نہ رکھیں۔ تو روزہ رکھنے میں ان سے پہل نہ کرو۔

لوگ آپ سے کوئی بات دریافت کریں تو کوئی آپ کے جواب دینے سے پہلے پوچھنے والے کو جواب نہ دے بیٹھے کہ یہ گستاخی ہے۔

بارگاہ رسالت کے جو آداب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سکھائے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی لفظ جس میں ابہام، کہ کوئی لفظ جو ذو معنیین ہو اور ایک معنی اس لفظ کا توہین آمیز بھی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بات چیت کرتے وقت نہ بولیے فرمایا۔

یاایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولو انظرنا وسمعوا وللکافرین عذاب الیم۔ (البقرہ۔۱۰۴)

''اے ایمان والو! تم راعنا (ہماری رعایت کیجئے) نہ کہا کرو تم انظرنا کہا کرو اور ان کی بات سنو اور جو بارگاہ رسالت کے آداب ملحوظ رکھنے سے انکار کردیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے''۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ بارگاہ رسالت میں بیٹھے آپ کے ارشادات سے جب مستفید ہوتے اور کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آتی تو راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت کیجئے۔ یہودی بھی یہی لفظ کہتے اور عین کے کسرہ کے اشباع کے ساتھ راعینا کہتے (یعنی اے ہمارے چرواہے) حضرت معاذؓ نے بات بھانپ لی اور ان شرارت پسند یہودیوں سے کہنے لگے۔ ''اگر اب میں نے یہ لفظ تم سے سنا تو بخدا تم کو قتل کرڈالوں گا''۔ وہ بولے، تم خود بھی تو

یہی کہتے ہو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اِس لفظ راعنا ہی کو چھوڑ دو۔ جس میں اہانت کا کوئی پہلو نکل سکتا ہے۔ تم انظرنا کہا کرو، تا کہ سوادب کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔

منافقوں نے حضرت عائشہ" کی نسبت ایک ایسی بات مشہور کی جس کی حکایت بھی ذوق ایمانی پر گراں گزرتی ہے۔ جب منافقوں نے معاشرے میں یہ بات پھیلا دی اور ہر طرف اس تہمت بیجا کا چرچا کیا، تو بعض سادہ مسلمان بھی اس بات کا ذکر کرنے لگے۔ غیرت کبریائی جوش میں آ گئی اور صحابہ کرام پر عتاب کیا۔

ولولا اذسمعتموہ قلتم مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحنک ھذا بھتان عظیم۔ یعظکم اللّٰہ ان تعودو المثلہ ابدا ان کنتم مومنین۔ (النور۔۱۶۔۱۷)

''جب تم نے یہ بات سنی تھی تو یہ کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے نکالیں۔ سبحان اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی بات نہ کرنا، اگر تم مومن ہو''۔

اس سے پہلی آیت میں اِس بہتان کے گھناؤنے پن کو یوں اُجاگر کیا۔

ولولا فضل اللّٰہ علیکم و رحمتہ فی الدنیا والاخرۃ لمسکم فیما افضتم فیہ عذاب عظیم۔ اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم و تحسبونہ ھیناوھو عنداللّٰہ عظیم۔ (النور۱۴۔۱۵)

''اگر دُنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو جس بات میں تم پڑ گئے تھے اس کی پاداش میں تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ جب ایک دوسرے سے سن کر تمہاری زبانوں پر وہ تہمت آ رہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اِسے معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔

یہ زجر و توبیخ، یہ سرزنش صحابہ کو اِس لئے کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ کی ازواج مطہرات جو اُمہات المومنین ہیں اور حضور ﷺ سے نسبت خاص رکھتی ہیں کے بارے میں یہ بدگمانی کیوں کی گئی اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم کے بارے میں سوظن خود حضور ﷺ کے پاس

ادب میں تسامح ہے۔

سورہ فتح کی اِس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اِن کی تعظیم بجالائی جائے۔ فرمایا

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا o لتومنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ ۔(الفتح)

ہم نے آپ کو بھیجا کہ آپ کائنات کے سامنے حق کی گواہی دینے والے ہیں، راہ حق پر چلنے والوں کو بشارت دینے والے اور راہ حق سے انحراف کرنے والوں کو برے نتائج سے ڈرانے والے ہیں۔ ہم نے آپ کو اِس لئے بھیجا تا کہ تم اللہ اور اِس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تا کہ تم اِن کی تعظیم اور توقیر بجالاؤ۔

پھر سورہ اعراف کی اِس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہ بات کی گئی ہے کہ فلاح و کامرانی اِن ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو حضور ﷺ کی تعظیم بجالاتے ہیں۔

فالذین امنوا به و عزروہ و نصروہ واتبعو النور الذی انزل معه اُولئک ھم المفلحون ۔(الاعراف۔۱۵۷)

پس جو لوگ اِن پر ایمان لائے اور جنہوں نے اِن کی تعظیم کی اور اِن کی مدد کی اور اِس نور کی پیروی کی جو اِن کے ساتھ اُتارا گیا۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

صدیق اکبرؓ بارگاہ رسالت میں

اصل بات یہ ہے کہ جسے حضور ﷺ کی جتنی معرفت ہے، وہ اتنا ہی اِس بارگاہ میں مودب ہے۔ صدیق اکبرؓ کو سب سے زیادہ حضور اقدس ﷺ کی معرفت تھی، اِسی لئے بارگاہ رسالت میں سب سے زیادہ مودب تھے۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں مصالحت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو موذن نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھ کر اقامت کہی اور اُنہوں نے امامت کی۔ نماز کے دوران حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ کو آگاہ کرنے کیلئے نمازیوں نے دستک دی۔ صدیق اکبرؓ نے گوشہ چشم سے دیکھا کہ حضور ﷺ کھڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد

فرمایا اپنی جگہ کھڑے رہو۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے لئے یہ بات ممکن نہ پائی کہ وہ امامت کریں اور رسول اللہ ﷺ مقتدی ہوں۔ آپؓ پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگے ہونا پڑا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔

''اے ابوبکر جب میں نے تمہیں خود حکم دیا تھا تو اپنی جگہ پر کھڑا رہنے سے تمہیں کس چیز نے باز رکھا''۔

عرض کیا! **ماکان لابن ابی قحافہ ان یصلی بین ید رسول اللہ** ابو قحافہ کے بیٹے کیلئے یہ زیبا نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے آگے کھڑا ہو۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۹۴)

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے سنا کہ حضرت عائشہ اونچی آواز سے بات کر رہی ہے۔ آپ نے داخل ہوتے ہی حضرت عائشہ کو پکڑ لیا کہ انہیں ماریں اور کہا

الا راک ترفعین صوتک علی رسول اللہ ﷺ

کیا میں تجھے نہیں دیکھتا کہ تو اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز سے بلند کرتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ناراض ہو کر چلے گئے۔ (ابوداؤد کتاب الادب صفحہ ۶۸۲)

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی، ورنہ ایسی گستاخی پر ان کی گردن اڑا دیتا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانو ابائھم او ابنائھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ و یدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم و رضوعنہ اولیک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۔ (المجادلہ۔۲۲)

آپ نہ پائیں گے ان لوگوں کو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہوئے، گو وہ ان کے اپنے باپ دادا ہوں، یا ان

کے اپنے بیٹے ہوں یا اِن کے اپنے بھائی ہوں یا اِن کی اپنی برادری کے لوگ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنے فیضان سے اِن کی تائید کی اور انہیں ایسی بہشتوں میں داخل کریگا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ اِن سے راضی اور وہ اِس سے راضی۔ یہ خدائی لشکر ہے۔ خبردار اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔

کنز العمال ہی میں ہے کہ ایک بدوی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا **انت خلیفة رسول الله** ﷺ ''آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں؟''

آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا تو پھر آپ کیا ہیں؟ فرمایا۔

الخالفتة بعده

جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھرانے کے اِس شخص کو کہتے ہیں جس میں کچھ خیر نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ یا جانشین کہنا بھی سوادب خیال کیا۔

خسرو نسبت عشق تو بخود خلیفہ زانکہ
شاہی و بفتراک تو مردار نہ بند ند

حضرت ابوبکرؓ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے تو جس پائے پر حضور ﷺ کھڑے ہوتے تھے، اِس پائے پر کھڑا ہونا سوءادب خیال کیا اور اِس سے نچلے پائے پر کھڑے ہوگئے۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے اِس پائے پر کھڑا ہونا بھی سوءادب خیال کیا جس پر حضرت ابوبکرؓ ہوتے تھے وہ اِس سے بھی نچلے پائے پر کھڑے ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا ادب

صلح حدیبیہ کی جو شرائط کفار قریش اور مسلمانوں کے درمیان ٹھہریں، بظاہر اہانت آمیز تھیں۔ مثلاً یہ کہ اِس سال مسلمان مکے میں داخل نہیں ہوں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اِسے واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش سے جا ملے تو اِسے واپس نہیں کریں گے۔

یہ شرائط بظاہر اہانت آمیز تھیں۔ خود حضرت عمرؓ مضطرب ہو کر تحریر معاہدہ سے پہلے حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا یقیناً ہیں حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم ان ذلت آمیز شرائط کو کیوں قبول کریں؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

''میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا پیغمبر ہوں۔ میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا اور وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں کرے گا''۔

گو حضرت عمرؓ نے یہ بات از راہ تحیر کہی تھی اور اس میں سوادب کا کوئی شائبہ نہ تھا، مگر لب ولہجہ اس ادب وتعظیم سے ہٹ گیا تھا۔ جس کے وہ عادی تھے۔ زندگی بھر ڈرتے رہے کہ کہیں بارگاہ رسالت میں سوءادب نہ ہو گیا ہو۔ اس کی تلافی کیلئے صدقہ وخیرات کرتے رہے اور نوافل پڑھتے رہے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ **عملت لها اعمالا**۔ میں نے اس کی تلافی کیلئے کئی نیکیاں کیں۔

(صحیح مسلم جلد ۲، صفحہ ۱۰۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ادب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف صلح حدیبیہ میں سفارت کیلئے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمانؓ کو طواف کرنے کی اجازت دی، لیکن آپ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

ما كنت لا فعل حتى يطوف رسول الله ﷺ

جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف نہ کریں میرے لئے زیبا نہیں کہ میں طواف کروں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادب

صحیح مسلم میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صلح نامہ حدیبیہ لکھا، تو اس میں یہ عبارت تھی۔

هذا ما كاتب عليه محمد رسول الله

مشرکوں نے کہا کہ لفظ رسول اللہ ﷺ نہ لکھو۔ اگر رسالت کے ہم قائل ہوتے تو جھگڑا کس بات کا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِس لفظ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا **ما كان لى ان امحوهذا** مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اِس لفظ کو مٹاؤں۔ پھر حضور علیہ السلام نے خود اِس لفظ کو مٹا دیا۔ (مشکوٰۃ جلد ۲، صفحہ ۳۵۵)

صحابہ کرام کا ادب

ایک دفعہ حضرت عباسؓ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا **انا اکبر وانت** میں عمر میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا **انت اکبر واکرم وانا اسن منک** آپ مجھ سے بڑے ہیں (مرتبے کے اعتبار سے) اور مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔ ہاں سن رسیدہ میں آپ سے زیادہ ہوں (کنز العمال) حضرت عباسؓ نے اکبر کا لفظ اپنے لئے استعمال کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اِس لئے کہ مقام اور رُتبے کے اعتبار سے جو دوسروں سے بڑا ہو اِسے بھی اکبر کہتے ہیں لفظ اکبر میں سوءادب کے کسی پہلو کے نکلنے کا احتمال نہ تھا۔

اُسامہؓ بن شریک کی روایت ہے کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا تو اِن کے آس پاس صحابہ یوں بیٹھے ہوئے تھے گویا اِن کے سروں پر پرندے ہیں۔ یعنی ادباً اور تعظیماً ساکت و صامت اور غیر متحرک بیٹھے تھے اور حدیث شریف میں ہے۔

اذا تکلم اطرق جلساہ کانما علی روسھم الطیر

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا ہوتے تھے تو صحابہ سر جھکائے ہوئے بیٹھتے تھے اور حرکت نہ کرتے تھے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۲ بحوالہ مرقات)

عروہ بن مسعود کو جب قریش نے صلح حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تو اِس نے دیکھا کہ صحابہؓ حضور ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے ہیں۔ اِس نے یہ منظر دیکھا۔

انہ لا یتوضا الا ابتدرواوضوہ ولا یبصق بصاقا الا تلقوہ باکفھم ولا تسقط منہ شعرۃ الا ابتدروھا واذا امرھم ابتدروا امرہ واذاتکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون النظر الیہ تعظیمالہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی وضو فرماتے۔ صحابہ اِن کے وضو کے پانی کی طرف لپکتے (اِسے بدن پر ملتے تھے)۔

اِن کا لعاب دہن صحابہ کے ہاتھوں پر گرتا تھا اور اِن کے ہر موئے مبارک جو گرتا صحابہ اِس کی طرف لپکتے اور جب وہ انہیں حکم دیتے تو فوراً بجالاتے جب وہ بات کرتے تو صحابہ اپنی آوازوں کو پست کرلیا کرتے تھے اور ادباً اور احتراماً انہیں تیز نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ (بخاری صفحہ۔۳۳۹)

"اے قریش کے لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے بھی دربار دیکھے ہیں خدا کی قسم کسی بادشاہ کی بھی ایسی تعظیم بجانہیں لائی جاتی جیسی صحابہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بجالاتے ہیں"۔

حضرت امام مالکؒ کا ادب

یہی حال آئمہ کرام کا تھا۔

حضرت امام مالک بن انسؒ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے یا ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا، تو اِنکے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور آپ سراپا تعظیم ہو جاتے۔ یہاں تک کہ ان کے بعض ہم نشینوں کو ان کی یہ غایت درجہ کی تعظیم گراں گزرتی۔ ایک دن آپ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کا ذکر آنے پر یہ آپ کو کیا ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا۔

لو رائیتم ما رایت کما انکرتم علی ما ترون

اگر حضور ﷺ کی وہ شان اور عظمت تم دیکھتے جو میں دیکھ رہا ہوں، تو تمہیں میری اِس غایت درجے کی تعظیم وتکریم پر اچھبا نہ ہوتا۔

حدیث شریف کا درس دینے سے پہلے آپ غسل فرماتے۔ نہایت عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور نہایت خشوع وخضوع سے حدیث بیان فرماتے۔ جب تک آپ درس دیتے رہتے۔ آپ کی مجلس میں خوشبو برابر سلگتی رہتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں میں ایک دن امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اِس وقت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے کئی بار کاٹا۔ آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ لیکن آپ پورے صبر اور ضبط کے ساتھ حدیث بیان کرتے رہے۔ جب آپ درس ختم کر چکے اور لوگ چلے گئے تو میں نے پوچھا کہ آج درس دیتے وقت آپ پر یہ کیا کیفیت طاری ہوئی؟ آپ نے فرمایا مجھے بچھو نے کئی بار کاٹا لیکن میں حدیث کی عظمت و اکرام کے باعث ضبط کئے ہوئے بیٹھا رہا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اِس زمین کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں جس سے رسول اللہ ﷺ کے مبارک قدموں نے لمس کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ مدینہ منورہ کی حدود شروع ہوتیں تو جوتا اُتار لیتے تھے اور وہ اپنے وقت کے امام وہ عظیم محدث اور فقیہہ ننگے پاؤں مدینے کی سرزمین پر چلتے تھے کہ مبادا جس جگہ حضور اقدس ﷺ نے قدم رکھے ہوں، وہاں وہ اپنی جوتیاں رکھ دیں۔

ادب کی یہ کیفیتیں حاصل نہیں ہو سکتیں، جب تک حضور ﷺ کی ذات کی معرفت نہ ہو، جب تک یہ معرفت حاصل نہ ہو کہ وہ تاریخ انسانیت کے مرکز و محور ہیں اور ازل سے لے کر آج تک جتنی مخلوق پیدا ہوئی ہے ارض و سما میں اور ما بین السموات والارض کوئی نہیں جو ان کی گرد پا کو چھو سکے۔ سب سے بڑا ادب حضور ﷺ کا ان کی اطاعت ہے۔ ان کے ہر حکم کے سامنے گردن جھکا دینا ہے اور چون و چرا کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان کے نام پر لرزتا اور آنسو بہاتا ہے مگر ان کے اتباع اور ان کی اطاعت سے گریزاں ہے، حقیقی ادب سے محروم ہے۔

حضور ﷺ کا یوم ولادت جب بھی آتا ہے، ہم اگر بتیاں سلگاتے ہیں، جھنڈیاں لگاتے ہیں، روشنیوں سے ہر شہر کا بقعہ نور بنا دیتے ہیں مگر ان کے ہر حکم کو ہم نے ٹھکرا دیا۔ شراب ملک میں درآمد بھی ہوتی ہے، کشید بھی ہوتی ہے اور برسرِ عام فروخت بھی ہوتی ہے۔ سود ملک کے تمام کاروبار میں سرایت کر گیا۔ چکلے آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے آج سے ستائیس برس پہلے انگریز کے دورِ حکومت میں آباد تھے۔ نماز سرکاری طور پر دفتروں میں آج تک قائم نہ کر سکے۔ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرنے کیلئے ہم نے آج تک کوئی اقدام نہ کیا۔ ہم طبلے کی تھاپ پر تالیاں پیٹتے ہوئے نہایت بے ادبی اور گستاخی کے ساتھ، یا محمد یا محمد کا شور مچا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے عقیدت کا حق ادا کر دیا۔ مگر میں اپنے اس سامع کو کیا کروں جس سے خواجہ یثرب کی یہ آواز پیہم ٹکرا رہی ہے۔

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (المائدہ۔ ۴۷)

جو لوگ آئین محمدی کو نافذ نہیں کرتے یہی لوگ فاسق۔ یہی لوگ میری اطاعت سے باہر ہو گئے۔ یہی لوگ مجھ سے سرکش ہیں۔

یہ سمجھنا فاش غلطی ہے کہ بارگاہ رسالت کے جو آداب قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں وہ صحابہ کرام ہی کیلئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس ہی کے ساتھ مخصوص تھے۔ نہ حضور ﷺ کی مجلس رہی نہ صحابہ رہے تو کیا اِن آیات کی حیثیت محض تاریخی رہ گئی ہے۔

آج بھی رسول اللہ ﷺ کا نام لیتے ہوئے، حدیث شریف پڑھتے ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے ادب کو ویسا ہی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں دیکھا کہ دو آدمی زور زور سے بول رہے ہیں حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔

انتم من اين انتما ؟ تمہیں کچھ ہوش ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو؟ پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا **لو کنتما من اھل المدینة لا وجعتکما ضربا** اگر تم مدینہ شریف کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت پیٹتا۔ یعنی تم باہر کے رہنے والے ہو اور مسجد نبوی کے آداب سے واقف نہیں ہو۔ تمہیں معذور سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ صفحہ 71)

اِسی طرح عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں کسی مسئلے پر بحث کر رہا تھا۔ بحث کے دوران اِن کی آواز بلند ہوگئی۔ امام مالکؒ نے خلیفہ کو ڈانٹا اور فرمایا **لا ترفع صوتك فی ھذا لمسجد** اِس مسجد میں آواز مت بلند کیجئے اور سورہ حجرات کی آیتیں پڑھیں اور یہ بھی فرمایا۔

ان حرمته میتا کحرمته حیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد حرمت یقیناً ویسی ہی ہے، جیسی زندگی میں تھی۔

صحابہ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی کئی نوعیتیں تھیں۔

صحابہ ان سے روحانی فیض بھی حاصل کرتے تھے اور کتاب وحکمت کی تعلیم بھی حاصل کرے تھے۔

یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمة۔

''وہ اِن کا روحانی تزکیہ کرتے تھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اِن کے شیخ بھی تھے اور معلم بھی تھے۔ پس مشائخ کا ادب، اساتذہ کا ادب، بزرگوں کا ادب اور اِس ادب کے سلیقے اور قرینے بھی ہمیں بارگاہ رسالت ہی سے سیکھنا ہیں کسی اور کے دروازے پر تو نہیں جانا ہے۔

پس اپنے مشائخ اور اساتذہ کی مجلس میں مودب ہو کر بیٹھئے۔ اِن کی آواز سے اپنی آواز پست رکھا کیجئے۔ اِن کی مجلس میں چلا چلا کر بات مت کیا کیجئے اِن کے گھروں کے باہر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر انہیں آوازیں مت دیا کیجئے۔ اِس بات کو اپنی روح کی گہرائیوں میں اتاریئے کہ آپ نے اِن سے فیض حاصل کیا ہے۔ یہ آپ کے محسن ہیں اور شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ جس سے فیض حاصل کیا جائے۔ اِس کے سامنے نگاہیں جھکی رہیں۔

آخر میں ایک بات کہتا ہوں۔ موحد ہو کر مودب ہونا بڑی بات ہے۔ موحد ہونے کے یہ معنی

نہیں کہ انسان بے مہار ہو جائے۔ اہل اللہ کی شان میں گستاخیاں کرے، اپنے محسنوں کا گریبان پھاڑے اور یہ سمجھے کہ میں غیر اللہ کی نفی کر رہا ہوں۔ اسی طرح بزرگوں کے ادب کے یہ معنی نہیں کہ انہیں اُٹھا کر خدا بنا دیا جائے۔

کچھ لوگوں کو توحید کا مفہوم تو کچھ سمجھ میں آیا، مگر انہیں اہل اللہ کی معرفت حاصل نہ ہوئی۔ اور اِن کا ادب و احترام ملحوظ نہ رکھا۔ کچھ لوگوں کو ادب کی توفیق ہوئی، مگر اِن کی توحید میں خلل واقع ہوا۔ یہ دونوں بیماریاں بہت پرانی ہیں۔

مذاہب عالم کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جب بھی کسی مذہب کے پیرو راہ راست سے منحرف ہوئے، یہی دو بیماریاں اِن کی تباہی کا باعث ہوئیں۔ عیسائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے۔

اتخذو ا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔

"انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا بنا لیا تھا اور مسیح ابن مریم کی الوہیت کے قائل ہو گئے تھے"۔

یہودیوں کو ایک اور بیماری بھی تھی اپنے محسنوں کا گریبان پھاڑتے تھے۔ جن سے فیض حاصل کرتے تھے۔ ان ہی کے ساتھ بدتمیزی اور بدلحاظی سے پیش آتے تھے، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی تھی۔

یقتلون النبین بغیر حق۔ انبیاء کو ناحق قتل بھی کر ڈالتے تھے۔

پس پھر ایک بار کہتا ہوں کہ موحد ہو کر مودب ہونا اور مودب ہوتے ہوئے موحد ہونا بہت بڑی سعادت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اِس سعادت کی بھیک مانگتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

"یا اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا، اِن لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے کرم کیا۔ اِن یہودیوں کی راہ پر نہ چلانا جو بے ادب اور گستاخ تھے، جو بدتمیز اور بے لحاظ تھے اور جن پر تیرا غضب نازل کیا گیا اور نہ اِن عیسائیوں کی راہ پر چلانا جنہوں نے بندوں کو خدا بنا لیا تھا اور گمراہی میں مبتلا ہوئے"۔

سبحان ربك رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

احادیث میں تمثیلات

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

نماز اور مغفرتِ گناہ

اریتم لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمس مرات ما تقولون ذالك یبقی من ورنه قالوا لا یبقیٰ من درنه شیئا قال فذالك مثل الصلوٰت الخمس یمحوا الله بها الخطایا۔ (رواہ الشیخان وموطا ونسائی)

حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے گھر کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کیا جائے تو جسم پر ذرہ برابر میل رہ سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں رہ سکتا۔ فرمایا یہی مثال نمازِ پنجگانہ کی ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

یہ تمثیل بہت اعلیٰ ہے۔ مگر یہ صرف اُن کیلئے ہے جو حقیقتِ صلوٰۃ سے واقف ہوں۔ نماز ہوتی ہی ہے تطہیرِ قلب و نگاہ کیلئے۔ اخلاق و سیرت کی بلندی کیلئے اور نفس امارہ کے تزکیے کیلئے۔ جو دن رات میں کئی بار خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنی بندگی و عبدیت کا اقرار کرے اور اس کے تقاضوں کو سمجھے اِس کے گناہ دُھل جانے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اِس کے تقاضوں کو غلط طریقے سے سمجھا جائے تو پھر یہ ہوگا کہ وہ نمازی دل کھول کر ارتکابِ گناہ کرتا جائے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جہاں نمازیں پڑھ لیں گناہ معاف ہو گئے۔ یہ زاویہ نگاہ ایسا ہے جو بجائے پاک کرنے کے اور زیادہ ناپاک کرتا جاتا ہے۔ اور نمازی مستحق رحمت ہونے کے بجائے **ویل للمصلین** کی وعید کا مستحق ہو جاتا ہے۔ قصور نماز کا نہیں نمازی کی فطرت واستعداد کا ہے۔ کھانا تو توانائی کیلئے کھایا جاتا ہے لیکن اگر معدے کی استعداد ہی صحیح نہ ہو تو وہی کھانا زہر بن جاتا ہے۔ قصور کھانے کا نہیں۔ کھانے والے کی صلاحیت واستعداد کا ہوتا ہے۔

مجمع کو چیرنا

مجلس کے آداب یہ ہیں کہ جو پہلے آئے وہ آگے بیٹھے اور جو پیچھے آئے وہ پیچھے جہاں جگہ

ملے بیٹھ جائے۔ یہی صورت جمعے میں بھی ہونی چاہیے۔ لیکن بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ آئیں گے تو سب کے بعد لیکن بیٹھنے کی کوشش کریں گے سب سے اگلی صف میں۔ اِس کا مقصد ہوتا ہے اپنے آپ کو ممتاز و نمایاں رکھنا۔ یا یہ فقہی خیال کہ آگے ہونے سے ثواب زیادہ ملے گا۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ ایسے لوگ مجمعے کو چیر کر لوگوں کو دھکے دیتے ہوئے اور ہٹاتے ہوئے مجمعے کے سروں پر سے گذر جاتے ہیں اور کچھ خیال نہیں کرتے کہ اِن کی اِس حرکت سے دوسروں کو کیا تکلیف ہوگی۔ حضور ﷺ کو آدابِ مجلس کے علاوہ یہ بھی اِنتہائی خیال رہتا تھا کہ کسی سے دوسرے کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اِس لئے فرمایا:

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعه اتخذ جسرا الی جهنم ٥

(رواہ الترمذی عن معاذ بن انس الجہنی)

جو شخص جمعے میں حاضرین کو پھاندتا ہوا آگے جاتا ہے وہ اپنے لئے جہنم کا پل بناتا ہے۔

فی الواقع لوگوں کے سروں اور گردنوں کو اپنا راستہ بنانے کیلئے اِس سے بہتر تہدیدی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ ایک پل سے گذر رہا ہے جو سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔

جان و مال کا احترام

بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جو عام حالات میں موثر نہیں ہوتے لیکن ایک خاص موقعے پر اُن کی تاثیر بے پناہ ہوجاتی ہے۔ بلاغت کا مطلب بھی یہی ہے کہ بات ٹھیک موقعے محل پر کہی جائے۔ مثلاً ایک مومن کی جان و مال کے متعلق سب جانتے ہیں کہ یہ حرام اور قابل احترام ہے۔ اِس بات کو آپ جس موقعے پر بھی کہیں صحیح ہوگی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ موثر بھی ہو۔ لیکن دیکھیے حضورؐ اِس بات کو کس زمان و مکان کا لحاظ کرتے ہوئے کتنے ٹھیک موقعے پر فرماتے ہیں۔ لاکھ سوا لاکھ پروانہ ہائے شمع رسالت حضورؐ کے ساتھ حج کرتے ہیں ایسا حج جو حکم فرضیت کے بعد وہ پہلا اور آخری حج ہے جو حضورؐ کے ساتھ ادا کیا جا رہا ہے۔ زمانہ حج کا ہے جسے شہر حرام کہتے ہیں۔ جگہ وہ پاک سرزمین ہے جسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں کا احترام اتنا زیادہ ہے کہ ایک جانور مارنا اور ایک پتا توڑنا بھی حرام ہے اور یہ ایسی رسم کہن ہے کہ قدیم الایام سے دلوں میں راسخ بھی ہے اور اسلام بھی اسے باقی رکھتا ہے۔ ایسے موقعے پر حضورؐ ایک بلیغ خطبہ دیتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ دلوں میں گھر کیے لیتا ہے۔ اشاروں میں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اِس کے بعد

آئندہ میری تمہاری یک جائی اِس جگہ نہ ہوگی۔ اور سمجھنے والے اِسے رخصتی پیغام سمجھ کر رونے لگتے ہیں۔ تکمیل دین کی آیت بھی نازل ہو جاتی ہے۔ کتنا روح پرور موقع، کس درجے موثر فضا، اور کس قدر دل گذار منظر ہے۔ ٹھیک اِس موقعے پر حضور لوگوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ یہ کونسا مقام ہے؟ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگ جواب دیتے ہیں۔ اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ حضورؐ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ مسجد حرام اور ماہِ حرام نہیں؟ سب اثبات میں جواب دیتے ہیں اور دل ان دونوں زمان و مکان کی حرمت کے جذبات سے بھرپور ہو جاتے ہیں۔ لوہا گرم و نرم ہو گیا اور حکیم الامت صلعم نے اِس بلیغ برمحل موقعے پر ایک چوٹ لگائی اور یوں گویا ہوئے۔

ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا ۔ فی بلدکم هذا۔ (رواہ مسلم، ابوداؤد، عن جعفر بن محمد بن علی)

اچھا تو سن لو کہ تمہارا خون اور تمہارے مال تم پر اِسی طرح حرام اور (واجب الاحترام) ہیں جس طرح آج کا دن۔ اِس مہینے میں اور اس شہر مکہ میں حرام اور واجب الاحترام ہیں۔

اِس تشبیہ کو دیکھیے اور موقع و محل کو دیکھئے۔ اِس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ دنیا میں اس سے بہتر کوئی اور تشبیہ بھی ممکن ہے؟

اقامت حدود اللہ

کسی تعزیر یا حدود یا سزا کا تصور سلیم طباع کیلئے خوشگوار نہیں ہوتا۔ سزا بہرحال ایک سخت دلی کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔ لیکن اگر اِسے بالکل ترک کر دیا جائے تو دُنیا سے امن و امان اُٹھ جائے۔ کیونکہ بعض طباع ایسی ہوتی ہیں کہ اگر سزا کا خوف نہ ہو تو وہ ہر بدی کے ارتکاب پر جری ہو جائیں۔ یہ صرف تصورِ سزا ہے جو بے شمار انسانوں کو فساد فی الارض سے روکے ہوئے ہے۔ اِس کے لئے حضورؐ نے جو مثال دی ہے وہ یہ ہے۔

مثل القائم فی حدود اللّٰه والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها و بعضهم اسفلها اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا ولم نوذ من فوقنا فان ترکوهم وما ارادوا اهلکوا جمیعاً وان اخذوا علی ایدیهم نجوا جمیعا۔ (رواہ البخاری والترمذی عن نعمان بن بشیر)

حدود اللہ کو جو نافذ کرتا ہے اور جس پر وہ نافذ ہوتی ہیں، اِن دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک کشتی میں اپنی اپنی جگہیں تقسیم کر کے بیٹھ گئے ہوں۔ بعض اُوپر کی منزل میں ہوں اور بعض نیچے کی منزل میں۔ پھر نیچے والوں کو پانی کی ضرورت محسوس ہو اور اُوپر والوں سے جا کر کہیں کہ ہم اپنے والے حصے میں پانی لینے کیلئے ایک سوراخ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو ہم کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ ایسی حالت میں اگر اوپر والے اِن کو اپنا ارادہ پورا کرنے کیلئے آزادی دے دیں تو نتیجے میں سب کے سب ہلاک ہوں گے اور اگر وہ اُن کے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ بھی اور یہ بھی سب بچ جائیں گے۔

تلاوتِ قرآن اور اثر صحبت

تلاوت کرنے والوں کی قسموں کو یوں سمجھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کوئی کرتا ہے کوئی نہیں کرتا۔ تلاوت کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں مومن متقی بھی ہو سکتے ہیں اور مومن فاسق بھی۔ اِن میں سے ہر ایک کیلئے حضورؐ نے الگ الگ تشبیہیں دی ہیں۔ گویا چار تمثیلیں ہیں۔ ایک مومن قاری کی، دوسری غیر مومن قاری کی، تیسری فاسق قاری کی اور چوتھی فاسق غیر قاری کی۔

اِس کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے نیک و بد کی صحبت کے اثر کی بھی تمثیلیں بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہوا:۔

مثل المومن من الذی یقرأ القراٰن مثل الاترج ریحها طیب و طعمها طیب و مثل المومن الذی لا یقرأ القراٰن کمثل التمرة طعمها طیب ولا ریح لها ومثل الفاجر الذی یقرأ القراٰن کمثل الریحانة ریحها طیب و طعمها مر و مثل الفاجر الذی لا یقرأ القراٰن کمثل الحنظلة طعمها مر ولا ریح لها۔ و مثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسلك ان لم یصیبك منه شیء اصابك من ریحه و مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سواده اصابك من دخانه (رواہ ابوداؤد عن انس)

جو مومن قرآن پڑھتا ہو اِس کی مثال اترج (لیموں یا نارنگی) جیسی ہے جس کا مزہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی۔ جو مومن تلاوت قرآن پاک نہ کرتا ہو، وہ گویا چھوہارا ہے جس کا مزہ تو اچھا

ہے لیکن خوشبو کوئی نہیں۔ لیکن وہ فاجر جو قرآن پڑھتا ہو ایسا ہے جیسا ریحانہ (خوشبودار پودا) جس کی مہک اچھی اور مزہ کڑوا۔ اور جو فاجر تلاوت قرآن پاک نہ کرتا ہو اس کی مثال حنظلہ (اندرائن) جیسی ہے جس کا مزہ کڑوا اور بو کوئی نہیں۔ اور صالح کا ہم نشین جیسے مشک پاس رکھنے والا۔ یعنی اگر مشک میسر نہ آئے تو لپٹ تو آ ہی جائیگی۔ اور بری صحبت میں رہنے والا ایسا ہے جیسے بھٹی والا اگر کالک سے بچ بھی گیا تو دھواں تو لگ ہی جائے گا۔

حُب جاہ و مال

دُنیا میں کون انسان ہے جسے عزت اور دولت مرغوب و محبوب نہ ہو۔ یہ چیزیں صرف مرغوب ہی نہیں بلکہ انسان ہر روز اِن میں اضافہ چاہتا ہے اور کوئی مقام ایسا نہیں جہاں یہ ہوس جا کر رُک جائے۔ جب یہ محبت روح میں پیوست ہو جاتی ہے تو زندگی کا نصب العین بن جاتی ہے اور پھر ہر فتنہ وفساد اِسی سے پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اِس مقصد کے حصول کیلئے انسان سیاست و مذہب کے نئے نئے روپ دھارتا ہے اور ہر راہ سے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ہوس زر ہو یا ہوس اقتدار دونوں انسانیت اور دین کے لئے زہر ہیں اِس لئے حضورؐ نے اِس کی تمثیل یوں دی ؐ ہے۔

ما ذئبان ضاریاں فی حضیرة یاکلان و یسفدان باضر فیھا من حب الشرف و حب المال فی دین المرء المسلم٥

(راوہ بزار عن ابن عمر)

وہ خونخوار بھیڑیوں کا کسی زخم کو چاٹ چاٹ کر خراب کرنا کسی زخم کے لئے اتنا مضر نہیں جتنی مضر ایک مسلمان کے دین کیلئے حُب جاہ و مال ہے۔

Scanned with CamScanner

سالانہ اِجتماع لمحہ بہ لمحہ

(ترتیب وتدوین حافظ محمد یٰسین)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ جواب کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں رہا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد عصرِ حاضر کے عظیم روحانی صوفی بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ نے 1950ء میں رکھی۔ ہر تنظیم کے کچھ خاص مقاصد ہوتے ہیں۔ جن کے پیش نظر وہ اجتماعات منعقد کرتی ہے۔ جن سے اِن کی تعلیمات کا عکس جھلکتا ہے۔ بانی سلسلہ نے 1962ء میں چوتھے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے خطبے کا آغاز ہی اِس بات سے کیا کہ "وہ تمام جماعتیں جو کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے سالانہ اجتماعات ضرور منعقد کرتی ہیں۔ لیکن فائدہ صرف اِنہی جماعتوں کو پہنچتا ہے جن کے ارکان ایسے اجتماعات میں منظور ہونے والی تجاویز پر جوش، اِستقلال اور خلوص سے عمل کرتے ہیں"۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا مقصد مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ جیسی صفات پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکے رسول کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا ہے اور روحانی توجہ سے اِنکے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق خالص توحید، اِتباع رسول ﷺ، کثرتِ ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اِسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصودِ حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔ اِنہی مقاصد کے پیش نظر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اِجتماع 16,15,14 اپریل کو مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں منعقد ہوا۔ اِجتماع کا باقاعدہ آغاز نماز جمعہ کے بعد تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کرنے کی سعادت حافظ عبدالکریم صاحب نے حاصل کی۔ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں اجتماعی درود و سلام حافظ بشیر احمد اور سب بھائیوں نے مل کر پیش کیا۔ خطبہ اِستقبالیہ گوجرانوالہ کے بھائی علی رضا نے پیش کیا جس میں انہوں نے قبلہ حضور

سالانہ اجتماع لمحہ بہ لمحہ

(ترتیب وتدوین حافظ محمد یٰسین)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ جواب کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں رہا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد عصر حاضر کے عظیم روحانی صوفی بزرگ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ نے 1950ء میں رکھی۔ ہر تنظیم کے کچھ خاص مقاصد ہوتے ہیں۔ جن کے پیش نظر وہ اجتماعات منعقد کرتی ہے۔ جن سے ان کی تعلیمات کا عکس جھلکتا ہے۔ بانی سلسلہ نے 1962ء میں چوتھے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے خطبے کا آغاز ہی اِس بات سے کیا کہ" وہ تمام جماعتیں جو کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے سالانہ اجتماعات ضرور منعقد کرتی ہیں۔ لیکن فائدہ صرف اِنہی جماعتوں کو پہنچتا ہے جن کے ارکان ایسے اجتماعات میں منظور ہونے والی تجاویز پر جوش، اِستقلال اور خلوص سے عمل کرتے ہیں"۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا مقصد مسلمانوں میں قرون اولیٰ جیسی صفات پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اسکے رسول کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا ہے اور روحانی توجہ سے اِنکے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق خالص توحید، اِتباع رسول ﷺ، کثرتِ ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اِسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصودِ حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔ اِنہی مقاصد کے پیش نظر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع 16,15,14 اپریل کو مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں منعقد ہوا۔ اِجتماع کا باقاعدہ آغاز نماز جمعہ کے بعد تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کرنے کی سعادت حافظ عبدالکریم صاحب نے حاصل کی۔ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں اجتماعی درود وسلام حافظ بشیر احمد اور سب بھائیوں نے مل کر پیش کیا۔ خطبہ اِستقبالیہ گوجرانوالہ کے بھائی علی رضا نے پیش کیا جس میں انہوں نے قبلہ حضور

محمد صدیق ڈار صاحب اور مقامی بھائیوں کی طرف سے باہر سے آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہا جو گوناگوں مصروفیات کو ترک کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے یہاں تشریف لائے۔ خطبہ استقبالیہ کے بعد تمام مرحومین اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کیلئے خصوصی دعا کی گئی۔ تقاریر میں لاہور سے تشریف لائے ہوئے بھائی مولوی یعقوب صاحب اور جرانوالہ کے بھائی محمد سلیم صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مدینۃ الاولیاء ملتان سے تعلق رکھنے والے بھائی سید امین شاہ صاحب نے ربیع الاول کی مناسبت سے حضور اکرم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری اور مومنین پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا بڑے مفصل اور مدلل انداز میں بیان فرمایا۔ پہلے دن کے اجلاس کی کاروائی میں نقابت کے فرائض پروفیسر طارق محمود صاحب نے سر انجام دیئے۔ نماز مغرب کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر کی محفل منعقد کی گئی۔ نماز عشاء کے بعد وقفہ طعام وآرام ہوا۔ اجتماع کے دوسرے دن نماز فجر کے فوراً بعد ایصال ثواب کیلئے اجتماعی تلاوت کا اہتمام کیا گیا اور شیخ سلسلہ نے خصوصی دُعا فرمائی۔ اجتماع کے دوسرے اجلاس کی کاروائی کا آغاز تلاوت ونعت سے ہوا۔ تلاوت حافظ بشیر احمد صاحب اور نعت سید امین شاہ صاحب نے پیش کی۔ سلسلہ تقاریر میں اسلام آباد کے بھائی خالد مسعود صاحب نے تصوف کے موضوع پر گفتگو کی۔ ملتان کے بھائی حمید اللہ شاہ نے تقویٰ کے موضوع پر جامع اور سیر حاصل گفتگو کی۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے بھائی پروفیسر منیر احمد لودھی صاحب نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت اور سلسلہ کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کا ذکر کیا۔ انہوں نے قبلہ حضور بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات کا ذکر کیا۔ گوجرانوالہ کے بھائی شوکت حسین صاحب نے ''قبلہ انصاری صاحب ایک انقلابی صوفی'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ سلسلہ تقاریر میں چوہدری عبدالرشید ساہی اور سید عاشق حسنین شاہ صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ دوسرے اجلاس میں نقابت کے فرائض علی رضا صاحب نے سرانجام دیئے۔ نماز ظہر کے بعد وقفہ طعام وآرام ہوا۔

نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر اور نشست بیعت منعقد ہوئی۔ بعد از نماز عشاء وقفہ طعام ہوا، اور ایڈیٹر مجلّہ فلاح آدمیت جناب وحید احمد صاحب کی طرف سے بلائی بھائی میٹنگ میں مجلس ادارت اور مجلّہ میں دوسرے لکھنے والے بھائیوں نے شرکت کی جس میں مجلّہ کو مزید فعال اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کو مجلّہ کے ذریعے عام کرنے کیلئے تجاویز اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسلام آباد کے بزرگ بھائی جناب غلام مرتضیٰ صاحب نے ایڈیٹر مجلّہ کو خصوصی تجاویز پیش کی۔ بعد ازاں مختصر وقت کیلئے تعارف برادران اور پھر محفل سماع کی نشست منعقد کی گئی۔ دو بجے وقفہ چائے اور پھر دوبارہ محفل سماع شروع ہوئی۔ تقریباً 4 بجے ترانہ توحیدیہ پیش کیا گیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ناشتے کا اہتمام اور پھر شیخ سلسلہ سے الوداعی ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا جو بھائیوں کی روانگی تک جاری رہا۔ یوں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا لیکن حقیقت میں یہ آئندہ سال کیلئے نئے عزم اور حوصلے کا نقطہ آغاز تھا۔ اجتماع کا سماں پورے سال کیلئے ہمارے دلوں میں تازگی اور نیا جوش پیدا کرتا رہے گا۔ آخر میں ہم خداوند کریم کے حضور دُعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اسلام کی صحیح تعلیم کو اُجاگر کرنے اور ہمیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عنائیت فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دُعا قبول کیوں نہیں ہوتی

(عبدالرشید ساہی)

مشہور بزرگ شفیق بلخی کہتے ہیں کہ ابراہیم ادھمؒ ایک دن بصرہ کے بازار سے گذر رہے تھے لوگ اِن کے پاس جمع ہو گئے اور عرض کیا ابواسحاق! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے مجھ سے دُعا مانگو تمہاری دُعا قبول کرونگا ہم لوگ بہت دنوں سے دُعا کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہماری دُعا قبول نہیں فرماتے جواب میں ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا" بصرہ کے باشندو! تمہارے دل دس چیزوں کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں پھر تمہاری دُعا کیسے قبول ہو ملاحظہ ہو۔

نمبر 1۔ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اِس پر ایمان لائے لیکن اِس کا حق ادا نہیں کرتے اِس کے حکموں کی خلاف ورزی کرتے ہو۔

تیرا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا؟ آہ تیری نارسا ہے

(اقبال)

نمبر 2۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کو پڑھا لیکن اِس پر عمل نہیں کرتے۔

پڑھے قرآں تے عمل نہ کرے جیہڑا
اے خاص شیطان دیاں وا دیاں نیں

(وارث شاہ)

نمبر 3۔ تم نے اللہ کے رسول سے محبت کا دعویٰ تو کیا لیکن جنت میں لے جانے والے کام نہیں کیئے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

(اقبال)

نمبر 4۔ تم لوگوں نے شیطان سے دشمنی کا دعویٰ کیا لیکن چلے پھر اُسی کی راہ پر

نمبر 5۔ تم نے جنت میں داخلہ کا دعویٰ تو کیا لیکن جنت میں جانے والے کام نہیں کیئے۔

نمبر 6۔ جہنم سے بچنے کا دعویٰ تو کیا لیکن کام وہ کیئے جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

Scanned with CamScanner

نمبر 7۔ تم نے موت کو یقینی مانتے ہوئے بھی اس کیلئے تیاری نہیں کی۔

نمبر 8۔ تم اپنے بھائیوں کے عیوب بیان کرنے میں لگے ہو لیکن اپنے عیوب پر بالکل نظر نہیں کرتے۔

نمبر 9۔ اپنے مالک کی نعمتیں کھاتے ہو لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

نمبر 10۔ اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہو لیکن عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ہمیں بھی مرنا ہے۔

اہل بصرہ کے سوال اور ابراہیم ادھمؒ کے جواب کو ہمارے بہت سے قارئین اکرام صرف پڑھنے تک محدود رکھیں گے لیکن اگر تھوڑا سوچ کر ہم اپنی موجودہ زندگی کے لیل ونہار پر غور کریں تو کیا یہ حقیقت روز روشن کی طرح ہمارے سامنے نہ آجائے گی کہ اِس وقت مذکورہ بالا باتوں میں سے کونسی بات ایسی ہے جو ہماری زندگی میں خون کی طرح نہ دوڑ رہی ہو، غفلت کی انتہا ہوگئی ہے۔ بہت سے لوگ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے بھی اور قبرستان پہنچ کر بھی ہنسی مذاق کرتے اور دنیا کی زندگی سے متعلق باتوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں جبکہ ہمارے پیارے محبوب رسول ہاشمی کا یہ حال تھا کہ آپ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گئے آپ سر جھکائے فکر آخرت میں ڈوبے ہوئے ایک تنکے سے زمین کو کرید رہے تھے ہمارا حال یہ ہے کہ طرح طرح کے حوادث اور بے گمان و بے سامان پیش آنے والے موت کے واقعات بھی ہم کو ہوشیار و متنبہ نہیں کرتے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ اِن اعمال کی فکر کریں جن میں دنیا و آخرت دونوں جگہ کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔ جس طرح دواؤں اور غذاؤں میں تاثیر ہوتی ہے اِسی طرح نیک اور برے اعمال کی بھی تاثیر ہوتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے زوال و ادبار کے طرح طرح کے اسباب اور وجوہات بیان کئے جاتے ہیں لیکن وہ تمام برائیاں اور بیماریاں جو اوپر بیان ہوئی ہیں اِن میں کونسی بات ایسی ہے جو اِس وقت ہمارے معاشرے اور سوسائٹی میں نہ پائی جاتی ہو کام تو کیئے جائیں خدا کے باغیوں اور منکروں والے اور اُمید لگائی جائے مومنین وصادقین والی یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے اللہ کی مدد و نصرت کا وعدہ استقامت و اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے پر ہے نہ کہ دعویٰ اسلام یا نسلی مسلمان ہونے پر۔ پڑھیے کتنے کھلے اور صاف الفاظ میں قرآن کریم نصرت خداوندی کے استحقاق کو بیان کرتا ہے فرمایا ترجمہ ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اِس پر قائم رہے اِن پر فرشتے اُتریں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو''۔

ایمان کے بعد نصرت کیلئے استقامت ضروری ہے اللہ پر ایمان لانے کے بعد اِس کے

Scanned with CamScanner

حکموں کے مطابق زندگی بسر کرنا اور کسی مقام پر بھی حکم عدولی نہ کرنا عین اسلام ہے لیکن ہمارا فلسفہ اسلام مرضی سے بنا ہوا ہے مسلمان کیلئے قرآن کتاب قانون ہے اور اتباع رسولؐ دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبالؒ)

کیا اس وقت مسلمانوں کے حالات ایسے ہی نہیں ہیں۔ اب اگر اپنے منعم حقیقی کی نافرمانی اور اپنے ازلی دشمن ابلیس سے دوستی کے جرم عظیم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں تو شکایت ہوتی ہے کہ ہم بحر حال مسلمان ہیں ہم پر بلائیں کیوں نازل ہوتی ہیں؟ ہم ذلت ورسوائی سے کیوں دوچار ہوتے ہیں۔ مقام غور ہے کہ اسلام بے عملی کا نہیں بلکہ سراسر عمل کا نام ہے، نبی مکرمؐ کی ترسیٹھ سالہ عملی زندگی بطور نمونہ ہمارے سامنے ہے صرف اور صرف یہی طریقہ اسلام ہے باقی جو ہے باطل ہے۔ اسلام کے دامن میں دو چیزیں ہیں، اللہ کا قرآن اور پیارے پیغمبرؐ کا فرمان

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا ابراہیم پدر ، اور پسر آزر ہیں

آخر میں پروردگار دو عالم ﷺ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ناگہانی آفات سے محفوظ فرمائیں ہماری خطاؤں پر نہیں اپنی رحمت پر نظر کریں اللہ ہمیں اپنے اور اپنے پیارے محبوبؐ کے دامن سے وابستہ فرمالیں مشکلات پر صبر کرنا اور اپنی نعمتوں پر شکر کرنا سکھادیں ہمارے قلوب کو نور ایمان سے منور فرمائیں اور ہماری زندگی کے تمام شعبوں مین اسلام کے رنگ کو غالب فرمادیں۔ تمام عالم اسلام کی دستگیری فرمائیں اور ہماری عزت وناموس کی حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا ہے؟ کہ تو بے باک نہیں ہے

(اقبالؒ)

حرب اسلامی اور دفاع پاکستان

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

(کیپٹن فضل ربی)

نوٹ! یہ مضمون کیپٹن فضل ربی صاحب کا مقالہ ہے۔ اِس میں پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے دفاع کی اہمیت قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ اس مقالہ کو سلسلہ وار شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

عَنْ جَابِرِ بِنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَنْ یَّبْرَحَ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا یُقَاتِلُ عَلَیْهِ عَصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارة)

حضرت جابر بن سمرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے یہ دین برابر قائم رہے گا اور اس کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت (کافروں) سے قیامت تک لڑتی رہے گی۔

اس رزم گاہ حیات میں ہر ذرہ اپنی بقاء کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوقات کو ان کے دفاع کے لئے ایک خاص جبلت سے نوازا ہے، کسی کو زمین کی شکل جیسی جلد دی ہے کسی کو پنجے اور دانت عطا کئے اور کسی کو اپنے بچاؤ کے لئے تیز رفتاری عنایت کی ہے۔ کوئی اپنے بل میں گھس جاتا ہے۔ اور کوئی داؤ پیچ اور طاقت کے بل پر اپنا دفاع کرتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وخرد کی دولت سے نوازا ہے جسے کام میں لاتے ہوئے وہ تمام مخلوقات کو مسخر کرتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ۔

زمین اور آسمانوں کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے (اللہ تعالیٰ تنہا ان کا خالق ہے اور اسی نے اپنی طرف سے انسانوں کو عطا کی ہیں) (13-45)

اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ اس کے بنیادی منابع (قرآن وسنت) میں مسلمانوں کو اپنے دفاع کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے ہمہ وقت اپنے جسمانی، نظریاتی اور ملکی دفاع کے لئے کوشاں رہنے کا حکم ہے اور اس سے غفلت کو عظیم نقصان بتایا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ط

کفار اس تاک میں رہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غفلت برتو۔ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ (4-102)

حرب اور اسلام!

حرب بمعنی قتال، دو یا دو سے زائد فریقوں میں حالت جنگ، عہد جاہلیت میں کسی منظم حکومت کی عدم موجودگی کی وجہ سے قبائل اکثر ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ ان جنگوں کا مقصد عام طور پر انتقام لینا ہوتا تھا۔ جیسے حرب بعاث، حرب بن اُمیہ اور حرب فجار۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد پوری انسانیت کو بندوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں شامل کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے نبی کریم ﷺ نے دن رات دین کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ سے اُمت کی ہدایت کیلئے دُعائیں مانگیں۔ تیرہ سالہ مکی زندگی میں صبر و تحمل کے پیکر بنے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے بعد بھی نبی کریم ﷺ نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا۔ البتہ حصول مقصد کیلئے وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ اس حکم الٰہی کے موجب کہ، **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** (2-316)

(تم پر قتال فرض کیا گیا)۔ تلوار کو بھی شامل فرمایا جو کہ آخری اور انتہائی صورت ہے۔

شرعی لحاظ سے نبی کریم ﷺ نے جنگ کو صرف اس وقت فی سبیل اللہ بتایا جب وہ اقامت دین کے لئے لڑی جائے۔ حدیث پاک میں ہے۔

عَنْ اَبِىْ مُوسىٰ قَالَ جاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْغَنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرِىَ مَكَانَهُ فَمَنْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد)

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے لڑائی کرتا ہے، کوئی شخص ناموری کیلئے لڑائی کرتا ہے اور کوئی شخص اپنی بہادری جتلانے کے لئے لڑتا ہے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کون کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑائی کرتا ہے، وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

اِس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حربی شعبے کی ایسی تطہیر فرمائی جو بجائے شر کے عبادت بن گئی اور جنگ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اصول وضع کیے۔ جن کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

دفاع قرآن حکیم کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں جا بجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت محمدیہ کو مضبوط دفاع کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ جب تک کسی مملکت کی اپنی دفاعی پوزیشن مستحکم نہ ہو تو پہل کی کاروائی (Offensive Role) تو کجا اس ملک کی سالمیت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس لیے اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دو قسم کے جہاد نہیں بلکہ صرف ایک قسم کا جہاد ہے۔ جس میں مدافعت اور جارحیت دونوں شامل ہیں۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں (Offensive Defence) کہتے ہیں۔ دفاع سے متعلق اگر قرآنی آیات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ صرف دفاع فرض نہیں ہُوا۔ اس لیے کہ صرف دفاع کی مثال فطری حوائج کھانے پینے اور حاجت ضروریہ کی سی ہے اور اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز کو فطری جبلت سے نوازا ہے۔ دراصل قرآنی آیت **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ** (تم پر قتال فرض کیا گیا حالانکہ یہ تم کو پسند نہیں ہے) کے تحت قتال فرض کیا گیا ہے اس آیت کی رو سے جہاد فرض نہیں ہُوا بلکہ قتال فرض ہُوا۔ تا کہ کوئی شخص اس کی تاویل صرف جہد سے؟ نہ کرے بلکہ اسی آیت کو قتال پر منطبق کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی مناسبت سے مدافعانہ اور جارحانہ دونوں قسم کی جنگیں لڑیں۔ اس بات کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ غزوہ خندق تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی جنگیں (Defensive Battles) لڑیں اور غزوہ خیبر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جارحانہ طرز (Aggressive Role) اپنایا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو سب سے پہلی باقاعدہ جنگ غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہل کا اقدام کیا۔ بلکہ ہجرت کے بعد غزوہ بدر تک آٹھ مہمات مختلف علاقوں میں بھیجنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس اقدام کی غمازی کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بوقت مقابلہ مدافعانہ نہ تھا۔ اگر نعوذ باللہ ایسا ہوتا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتظار فرماتے کہ کفار مکہ مدینہ منورہ کے اندر آ کر مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کی گردنوں پر تلوار رکھتے۔ تب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دفاع کی اجازت مرحمت فرماتے۔ یہ ایک غیر فطری عمل ہوتا اور خاص کر دین اسلام جیسے انقلابی دین میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ دفاع اور حملہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ دفاع پہلا زینہ ہے۔ اسے سر کرکے دوسرے زینے جارحانہ اقدام (Aggressive Measures) تک پہنچنا فتح بخش ہے اور نقصان سے خالی۔

اسی لئے زیر نظر مقالے میں وطن عزیز کے دفاع پر بحث کی جاتی ہے تاکہ اپنی مکمل حفاظت اور دفاع کا انتظام کرکے مسلح افواج اور عوام ہر وقت جارحانہ اقدام کے قابل رہیں۔ ماضی میں ہندوستان کے ساتھ لڑی گئی چھوٹی بڑی پانچ جنگوں میں جہاں ہم نے جارحانہ اقدام کیا وہاں پر کامیابی بھی حاصل کی اور جہاں صرف دفاعی طرز عمل کو اختیار کیا، وہاں نقصان کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس لئے کہ حملہ آور سے زیادہ دیر تک اپنا بچاؤ مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں جنگی تیاری کا حکم ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تیاری سے دفاعی حیثیت کو استحکام ملے گا۔ اس سے دشمن کے اوپر خود بخود رعب طاری ہوگا اور یہ امر مجبوری اپنے دفاع میں رہے گا جس سے ہمیں خود بخود اقدام کا موقع میسر آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

٥وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ٥

اور جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ سامان جنگ اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرو۔ (8-6)

اس آیت میں تشویق و ترغیب کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج (REGULAR ARMY) ہر وقت تیار رہنی چاہیے۔ تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کاروائی کر سکو نیز دشمن کو یہ ہمت نہ ہو کہ وہ تم پر حملے کی جرأت کر سکے۔ قوت و طاقت کی تفسیر حالات اور ادوار کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے ایٹمی دور میں تیر و کمان کا حصول آیت کے مطابق سمجھنا قرآنی حکمت کے خلاف ہے۔

٥ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا٥

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اپنا دفاع کیئے رکھو پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے ہو کر جہاد کے لئے نکلو۔ (4-17)

حذر کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے۔ ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ میں ممد و معاون ہو۔ اِس مفہوم میں داخل ہے ہتھیار، تدابیر، تعلیم و تربیت اور سکھلائی سب کچھ حذر میں شامل ہیں۔

ο اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (9-41)

نکلو (اللہ کی راہ میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ یا تھوڑی جمعیت کے ساتھ جہاد جاری رکھنے کا حکم ہے۔ اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مالی اور جانی قربانیوں کا حکم ہے۔ ہلکے یا بوجھل دونوں حالتوں میں اپنے دفاع کیلئے مختلف تدابیر اپنانے کا اشارہ ہے۔

ο اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ٥ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ط وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (9-39)

اگر تم (اِس کی راہ میں) نہ نکلے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اُٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

قرآنی حکم کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد ترک کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ جو قومیں ملک و ملت کے دفاع کی اہل نہیں انہیں صفحہ ہستی سے مٹانا اللہ کی سنت ہے اور اللہ کیلئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

ο وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ٥

"اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور اِس میں لوگوں کے لئے بہت سے فائدے ہیں اور لوہے کو اللہ نے اِس لئے پیدا کیا تا کہ وہ جان لے بن دیکھے اُس کے اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ طاقتور اور زبردست ہے۔ (57-25)

انبیاء علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے ساتھ ہی لوہے کا ذکر اور اس میں منافع کا ذکر خود بخود اِس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی قوت ہے۔

○ وَالَّذِينَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (48-29)

اور وہ لوگ جو ان کے (محمد) کے ساتھی ہیں کفار پر نہایت سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

کفار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی سختی سے مراد درشتی اور تند خوئی نہیں۔ بلکہ یہاں مراد ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی اور انسانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں چٹان کی طرح ناقابل تسخیر اور بے خوفی ہے۔ یعنی دین اور اسلامی اصول کے دفاع کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے والے ہیں۔

○ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔

اور اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو زمین کا نظام تباہ ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر مہربان ہے۔ (2-251)

اسلام نے بغیر شدید ضرورت کے خون بہانا اور قتل و خونریزی کو ممنوع قرار دیا ہے مگر ایسی حالت میں جبکہ چند بے رحم اور سنگ دل انسانوں کے ہاتھوں امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو۔ خدا کی زمین میں معصیت اور فساد کا دور دورہ ہو اور مخلوق خدا کی کوئی قیمتی متاع محفوظ نہ ہو۔ عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہ ہوں۔ بوڑھوں کی تکریم نہ ہو۔ ظالم کا پکڑنا مشکل ہو اور مظلوم کی دادرسی والا کوئی نہ ہو۔ ایسے میں اسلام اپنے پیروکاروں کو اپنے دفاع اور شر انگیزوں سے مخلوقِ خدا کو نجات دلانے کے لئے قتال کی اجازت دیتا ہے۔

○ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً۔ (4-102)

کفار اس تاک میں رہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔

اس آیت میں ہتھیار اور سامان سے غفلت تین طرح کی ہے۔

الف: میدانِ جنگ میں حملے یا دفاع کے دوران آلات حرب و ضرب کے استعمال اور حفاظت سے کوتاہی۔

ب: میدانِ جنگ کے علاوہ زمانہ امن میں سٹوروں میں موجود ساز و سامان کی دیکھ

بھال (MAINTENANCE) سے لاپرواہی۔

ج: دفاعی پیداوار (DEFENCE PRODUCTION) میں سستی سے کام لینا اور غیر اقوام کے سہارے پر رہنا (سائنس کی تعلیم مراد ہے)

o وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ۔

اور تم اِن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ (2-193)

دنیا سے فتنے کا سد باب اور دین اسلام عام کرنے کے لئے نکلنا ضروری ہے۔ صرف دفاع سے اپنی مدافعت تو کسی وقت اور کسی حد تک ممکن ہے لیکن دنیا میں موجود باطل نظام ہائے حیات کو ملیامیٹ کرنے کے لئے خروج ضروری ہے۔ دین اسلام کے اندر خروج نہایت اہمیت کا حامل ہے اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

o کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔

تم بہترین اُمت ہو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دفاع حدیث کی روشنی میں

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی باقاعدہ اِسلامی مملکت قائم ہوئی۔ بحیثیت فرستادہ خدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِسی مملکت کے سربراہ اور عساکر کے سپہ سالار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سپہ سالاروں والی شان اور دبدبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَیسرۃَ شَھْرٍ وَقَوْلُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ قَالَ جَابِرٌ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت تک کے رُعب و دبدبہ سے مدد دی گئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان کہ کافروں کے دلوں میں ہم عنقریب رعب و دبدبہ ڈال دیں گے اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے۔ اِس کو حضرت جابرؓ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

ایک تجربہ کار کمانڈار ہونے کے ناطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جنگ میں جارحانہ اور

مدافعانہ دونوں اقدام کیلئے تیار کرنا تھا۔ یہاں تک کہ عارضی پسپائی کی حالت میں کئے جانے والے اقدامات بھی سکھانے تھے۔

ان اُمور کی عملی تربیت کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادودفاع کے فضائل اُمت کے سامنے بیان فرمائے۔ موضوع کی مناسبت سے دفاعی اُمور سے متعلق چنداحادیث حسب ذیل ہیں۔

○عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ فِی حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ۔

حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل حدیث کے ذیل میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصل کام اسلام ہے اور اسلام کا عمود جس پر اس کی تعمیر قائم ہے نماز ہے اور اس کا اعلیٰ مقام جہاد ہے۔ (ترمذی۔ باب الایمان)

○عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَغَدْوَةٌ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا○

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام گشت کرنا (پٹرولنگ) دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ (مسلم۔ کتاب الامارۃ)

○ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم غَزْوَةَ الْهِنْدِ فَاِنْ اَدْرَكْتُهَا اُنْفِقْ فِیْهَا نَفْسِیْ وَمَالِیْ فَاِنْ قُتِلْتُ كُنْتُ اَفْضَلَ الشُّهَدَآءِ وَاِنْ رَّجَعْتُ فَاَنَا اَبُوْهُرَیْرَةَ الْمُحَرَّرُ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں نے اپنی زندگی میں اس کو پالیا۔ تو میں اپنا سارا مال اور اپنی جان اس میں خرچ کروں گا۔ پھر اگر میں قتل کر دیا گیا تو شہیدوں میں افضل ہو جاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو جہنم سے آزاد ابو ہریرۃؓ ہوں گا۔ (نسائی۔ کتاب الجہاد)

پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک ہندوستان پر مختلف اوقات میں جہاد ہوتا رہا اور آئندہ بھی شاید ہوتا رہے گا۔ اسی لیے علماء کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانے کے جہاد کو یہی فضیلت حاصل ہے۔

○عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ عَیْنَانِ

لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۝

دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد فی سبیل اللہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔

۝ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا۔ (ترمذی۔ باب جہاد)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ایک دن کا رباط (پہرہ) یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا کام ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری۔ کتاب جہاد)

۝ عَنْ أَبِي عَبْسٍ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔

حضرت ابوعبس عبدالرحمٰن ابن جبیرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دونوں پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہو جائیں۔ اسے آگ مس نہیں کرے گی۔

(بخاری۔ کتاب الجہاد)

۝ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةً الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صُنْعِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَالْمُمِدَّ بِهِ۔

ابی حماد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ساتھ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ تیر بنانے والے کو، جو اس کے بنانے میں ثواب کا طالب ہے اور تیر چلانے والے کو اور تیر پکڑنے والے کو۔ (ترمذی۔ باب جہاد)

۝ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ أَخْذَ مَالِي قَالَ فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي قَالَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ فرمائیں اگر کوئی شخص میرا مال مجھ سے چھیننا چاہے (تو کیا حکم ہے) فرمایا اس کو مال نہ دو، اس نے عرض کیا، بتائیں اگر وہ مجھ سے لڑے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو بھی اس سے لڑ، اس نے پھر عرض کیا آپ بتائیں اگر وہ مجھے قتل کر دے۔ فرمایا تو شہید ہے، پھر اس شخص نے دریافت کیا اگر میں اسے قتل کر دوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ دوزخی ہے۔ (مسلم۔ کتاب الایمان)

○ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔

سعید بن زید کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا مال بچاتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

○ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ وَاَخَذْتُمْ اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهٗ عَنْكُمْ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم بیع کرنے لگو گے اور بیلوں کی دُم پکڑنے لگو گے اور زراعت پر راضی رہو گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایک ذلت مسلط کر دے گا۔ جب تک تم اپنے طریقہ پر واپس نہ آ جاؤ گے وہ تم سے اس ذلت اور رسوائی کو الگ نہیں کرے گا۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب البیع)

کائنات خدا کی گواھی دیتی ھے

(مولانا وحید الدین خاں)

عرصہ ہوا کہ، کیرالا کے عیسائی مشن نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا، جس کا نام تھا۔

NATURE AND SCIENCE SPEAK ABOUT GOD

اِس باب کے عنوان کیلئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ موزوں ترین ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا سب سے بڑا ثبوت اِس کی وہ مخلوق ہے، جو ہمارے سامنے موجود ہے، فطرت اور اِس کے بارے میں ہمارا بہترین علم پکار رہا ہے کہ بے شک اِس دنیا کا ایک خدا ہے، اِس کے بغیر ہم کائنات کو اور اپنے آپ کو سمجھ نہیں سکتے۔

کائنات کی موجودگی اِس کے اندر حیرت انگیز تنظیم اور اِس کی اتھاہ معنویت کی اِس کے سوا کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی کہ اِس کو کسی نے بنایا ہے اور یہ بنانے والا ایک لامحدود ذہن ہے، نہ کہ کوئی اندھی طاقت۔

ا۔ فلسفیوں میں سے ایک گروہ، نہایت مختصر گروہ، ایسا ہے جو کسی قسم کے وجود ہی میں شک کرتا ہے، اِس کے نزدیک نہ یہاں کوئی انسان ہے اور نہ کوئی کائنات، بس ایک عدم محض ہے، اِس کے سوا اور کچھ نہیں اگر اِس نقطہ نظر کو صحیح مان لیا جائے تو یقیناً خدا کا وجود مشتبہ ہو جاتا ہے، لیکن جیسے ہی ہم کائنات کو مانتے ہیں، ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں۔ کیونکہ عدم سے وجود کا پیدا ہونا ایک ناقابل قیاس بات ہے۔

جہاں تک اِس مخصوص قسم کی تشکیک اور لا ادریت کا تعلق ہے، وہ ایک فلسفیانہ نکتہ تو ہوسکتا ہے۔ مگر اِس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، جب ہم سوچتے ہیں تو ہمارا سوچنا خود اِس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی وجود ہے، جب راستہ چلتے ہوئے کسی پتھر سے ٹکراتے ہیں اور ہمیں تکلیف ستانے لگتی ہے تو یہ واقعہ اِس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارے باہر کوئی دنیا ہے، جس کا اپنا وجود ہے، اِسی طرح ہمارا ذہن اور ہمارے تمام حواس ہر آن بے شمار چیزوں کو محسوس کرتے ہیں اور یہ علم واحساس ہر شخص کیلئے اِس بات کا ایک ذاتی ثبوت ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں ہے، جو واقعی طور پر

اپنا وجود رکھتی ہے، اب اگر کسی کا فلسفیانہ تفکر اس کے لئے دنیا کے وجود کو مشتبہ کر دیتا ہے، تو یہ ایک ایسی مستثنیٰ حالت ہے جو کروڑوں انسانوں کے تجربات سے غیر متعلق ہے، ایسے شخص کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مخصوص قسم کی ذہنی فضا میں گم ہوگیا ہے، یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہوگیا ہے۔

اگر چہ کائنات کا موجود نہ ہونا بذات خود اس بات کا لازمی ثبوت نہیں ہے کہ خدا بھی موجود نہ ہو، تاہم اپنی انتہائی لغویت کے باوجود یہی ایک نقطہ نظر ہے، جس کیلئے خدا کا وجود مشتبہ ہوسکتا ہے، مگر یہ نقطہ نظر خود اتنا بے معنی ہے کہ آج تک نہ تو عام انسانوں کیلئے وہ قابل فہم ہوسکا اور نہ علمی دنیا میں اس کو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ عام انسان اور عام اہل علم بہر حال اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اپنا ایک وجود ہے، اور کائنات بھی اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ سارے علوم اور زندگی کی تمام سرگرمیاں اسی علم ویقین کی بنیاد پر قائم ہیں۔

پھر جب ایک کائنات ہے تو لازماً اس کا ایک خدا ہونا چاہیے، یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ ہم مخلوق کو مانیں مگر خالق کا وجود تسلیم نہ کریں۔ ہمیں کسی بھی ایسی چیز کا علم نہیں جو پیدا کئے بغیر وجود میں آ گئی ہو، ہر چھوٹی بڑی چیز لازمی طور پر اپنا ایک سبب رکھتی ہے، پھر اتنی بڑی کائنات کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ یونہی وجود میں آ گئی، اس کا کوئی خالق نہیں۔

جان اسٹوارٹ مل (STUART MILL) نے اپنی آٹو بیا گریفی میں لکھا ہے کہ میرے باپ نے مجھے یہ سبق دیا کہ یہ سوال کہ کس نے مجھے پیدا کیا (WHO MADE ME) خدا کے اثبات کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد فوراً دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا (WHO MADE GOD) چنانچہ برٹرینڈ رسل نے بھی اسی اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے محرک اول کے استدلال کو رد کر دیا ہے:۔(The age of Analyris By Mortonwhite)

یہ منکرین خدا کا بہت پرانا استدلال ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اگر کوئی خالق مانیں تو اس خالق کو لازمی طور پر ازلی ماننا پڑے گا۔ پھر جب خدا کو ازلی ماننا ہے تو کیوں نہ کائنات ہی کو ازلی مان لیا جائے اگر چہ یہ بالکل بے معنی بات ہے، کیونکہ کائنات کی کوئی ایسی صفت

ہمارے علم میں نہیں آئی ہے، جس کی بناء پر اس کو خود اپنا خالق فرض کیا جا سکے۔ تاہم انیسویں صدی تک منکرین کی اس دلیل میں ایک ظاہر فریب حسن ضرور موجود تھا، مگر اب حرکیات، حرارت کے دوسرے قانون (SECOND LAW OF THERMOBY NAMICS) کے انکشافات کے بعد تو یہ دلیل بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔

ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی۔ ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت مسلسل یا حرارت وجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

یہ قانون جسے ضابطہ ناکارگی (LAW OF ENTROPY) کہا جاتا ہے، ثابت کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی، ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت مسلسل یا حرارت وجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے، مگر اس چکر کو الٹا چلایا نہیں جا سکتا کہ خود بخود یہ حرارت، کم حرارت کے وجود سے زیادہ حرارت کے وجود میں منتقل ہونے لگے، ناکارگی، دستیاب توانائی (AVAILABLE ENERGY) اور غیر دستیاب توانائی (UNAVAILABLE ENERGY) کے درمیان تناسب کا نام ہے، اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی ناکارگی برابر بڑھ رہی ہے، اور ایک وقت ایسا آنا مقدر ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی، اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہ رہے گی، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا خاتمہ ہو جائے گا اور زندگی بھی اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گی، لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیمیائی اور طبعی عمل جاری اور زندگی کے ہنگامے قائم ہیں، یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے ورنہ اخراج حرارت کے لازمی قانون کی وجہ سے اس کی توانائی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی اور یہاں زندگی کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ ہوتی۔

اس جدید تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے ایک امریکی عالم حیوانات "EDWARD LUTHER KESSEL" لکھتا ہے:۔

''اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (BEGINNING) رکھتی ہے اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت

کر دیا ہے، کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہو سکتی، یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔" (The Evidence of God, P.51) یہی بات سر جیمز جینز نے ان الفاظ میں کہی ہے:

"موجودہ سائنس کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں ناکارگی کا عمل (Entropy) ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اس کی توانائی بالکل ختم ہو جائے، یہ ناکارگی ابھی اپنے آخری درجہ کو نہیں پہنچی ہے، اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے متعلق سوچنے کے لئے موجود نہ ہوتے، یہ ناکارگی اس وقت بھی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اور اس بنا پر اس کا ایک آغاز ہونا ضروری ہے، کائنات میں لازماً اس قسم کا کوئی عمل ہوا ہے، جس کو ہم ایک وقت خاص میں تخلیق (Creation at a Time) کہہ سکتے ہیں، نہ یہ کہ وہ لامتناہی مدت سے موجود ہے۔"
(The Mysterious Univers P.133)

اس طرح کے اور بھی طبیعیاتی شواہد میں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے، بلکہ وہ ایک محدود عمر رکھتی ہے، مثلاً فلکیات کا یہ مشاہدہ ہے کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، تمام کہکشائیں اور فلکیاتی اجسام مشاہدہ میں نہایت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس صورت حال کی اس وقت نہایت عمدہ توجیہ ہو جاتی ہے، جب ہم ایک ایسے ابتدائی وقت کو تسلیم کر لیں، جب تمام اجزائے ترکیبی مجتمع اور مرکوز حالت میں تھے، اور اس کے بعد ان میں حرکت و توانائی کا آغاز ہوا، اس طرح کے مختلف قرائن کی بنا پر عام اندازہ یہ ہے کہ لگ بھگ پچاس کھرب سال پہلے ایک غیر معمولی دھماکے سے یہ سارا عالم وجود میں آیا، اب سائنس کی اس دریافت کو ماننا کہ کائنات محدود عمر رکھتی ہے، اور اس کے موجد کو نہ ماننا، ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ تاج محل ہمیشہ سے موجود نہیں تھا، بلکہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں بنا، مگر اس کے باوجود اس کا کوئی معمار اور انجینیر تسلیم نہ کرے اور کہے کہ وہ بس اپنے آپ ایک مخصوص تاریخ کو بن کر کھڑا ہو گیا ہے!

۲۔ فلکیات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے

ذرے ہیں، شاید اسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے، ان میں کچھ ستارے ایسے ہیں، جو زمین سے کسی اقدر بڑے ہیں مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جاسکتی ہیں، اور بعض ستارے تو اس قدر بڑے ہیں کہ اربوں زمینیں ان کے اندر سما سکتی ہیں، یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی ممکن حد تک تیز اڑنے والا ہوائی جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہو، وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس ہوائی جہاز کو کائنات کا پورا چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے پھر اتنی وسعت کے باوجود یہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ ہر لمحہ اپنے چاروں طرف پھیل رہی ہے، اس پھیلنے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال کے بعد کائنات کے تمام فاصلے دگنے ہو جاتے ہیں، اس طرح ہمارا یہ خیالی قسم کا غیر معمولی تیز رفتار ہوائی جہاز بھی کائنات کا چکر کبھی پورا نہیں کر سکتا، وہ ہمیشہ اس بڑھتی ہوئی کائنات کے راستہ میں رہے گا۔

آسمان گرد و غبار سے پاک ہو تو پانچ ہزار ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں، لیکن معمولی دوربینوں کی مدد سے یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے، اور وقت کی سب سے بڑی دوربین جو ماؤنٹ پیلومر پر لگی ہوئی ہے، اس سے اربوں ستارے نظر آتے ہیں، مگر یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے، کائنات ایک بے انتہا وسیع خلا ہے، جس میں لاتعداد ستارے غیر معمولی رفتار سے مسلسل حرکت کر رہے ہیں، کچھ ستارے تنہا سفر کر رہے ہیں کوئی دو یا زیادہ ستاروں کے مجموعوں کی شکل میں ہیں اور بے شمار ستارے ایسے ہیں، جو مجامع النجوم کی صورت میں متحرک ہیں، روشن دان سے کمرے میں آنے والی روشنی کے اندر آپ نے بے شمار ذرے اِدھر اُدھر دوڑتے ہوئے دیکھے ہوں گے اسی کو اگر آپ بہت بڑے پیمانے پر قیاس کر سکیں تو کائنات کے اندر ستاروں کی گردش کا آپ ہلکا سا اندازہ کر سکتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ ذرے باہم ملے ہوئے حرکت کرتے ہیں، اور ستارے تعداد کی اس کثرت کے باوجود بالکل یکہ و تنہا دوسرے ستاروں سے بے اندازہ فاصلے پر سرگرم سفر ہیں، جیسے وسیع سمندروں میں چند جہاز جو ایک دوسرے سے اتنی دوری پر چل رہے ہوں کہ انھیں ایک دوسرے کی خبر نہ ہو۔

یہ ساری کائنات ستاروں کے بے شمار جھرمٹوں کی صورت میں ہے، ہر جھرمٹ کو کہکشاں کہتے ہیں، اور یہ سب کے سب مسلسل حرکت میں ہیں، سب سے قریبی حرکت جس سے ہم واقف ہیں، وہ چاند ہے چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور رہ کر اس کے گرد مسلسل اس طرح گھوم رہا ہے کہ ہر ۲۹ دن میں زمین کے گرد اس کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہماری زمین جو سورج سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے، وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہوئی سورج کے گرد ایس کروڑ میل کا دائرہ بناتی ہے، جو ایک سال میں پورا ہوتا ہے، اسی طرح زمین سمیت نو سیارے ہیں، اور وہ سب کے سب سورج کے گرد مسلسل دوڑ رہے ہیں، ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے، یہ تمام سیارے اپنے سفر میں اسی طرح مصروف ہیں کہ ان کے گرد اکتیس چاند بھی اپنے اپنے سیاروں کے گرد گھوم رہے ہیں، ان کے علاوہ تیس ہزار چھوٹے سیاروں (ASTEROIDS) کا ایک حلقہ، ہزاروں دم دار ستارے اور لاتعداد شہاب ثاقب ہیں جو اسی طرح گردش میں مصروف ہیں، ان سب کے بیچ میں وہ ستارہ ہے، جس کو ہم سورج کہتے ہیں، اور جس کا قطر آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے، اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

یہ سورج خود بھی رُکا ہوا نہیں ہے بلکہ اپنے تمام سیاروں اور سیارچوں کو لئے ہوئے ایک عظیم کہکشانی نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، اسی طرح ہزاروں حرکت کرتے ہوئے نظام ہیں، جن سے مل کر ایک کہکشاں وجود میں آتی ہے، کہکشاں گویا ایک بہت بڑی پلیٹ ہے، جس پر بے شمار ستارے منفرداً اور مجتمعاً لٹوؤں کی طرح مسلسل گھوم رہے ہیں، پھر یہ کہکشائیں خود بھی حرکت کرتی ہیں، چنانچہ وہ قریبی کہکشاں جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے وہ اپنے محور پر اس طرح گردش کر رہی ہے کہ اس کا ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات پانچ سو ملین (ایک ملین برابر دس لاکھ) کہکشانوں پر مشتمل ہے، اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں، قریبی کہکشاں جس کے ایک حصے کو ہم رات کے وقت سفید دھاری کی شکل میں دیکھتے ہیں،

اس کا رقبہ ایک لاکھ سال نور ہے، اور ہم زمین کے رہنے والے کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے بقدر دور ہیں، پھر یہ کہکشاں ایک اور بڑی کہکشاں کا جزو ہے، جس میں اسی طرح کی سترہ کہکشائیں حرکت کر رہی ہیں اور پورے مجموعہ کا قطر بیس لاکھ سال نور ہے۔

ان تمام گردشوں کے ساتھ ایک اور حرکت جاری ہے اور وہ یہ کہ ساری کائنات غبارے کی طرح چاروں طرف پھیل رہی ہے، ہمارا سورج ہیبت ناک تیزی کے ساتھ چکر کھاتا گھومتا ہوا بارہ میل فی سکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشیے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے اور اپنے ساتھ نظام شمسی کے تمام توابع کو بھی لئے جا رہا ہے اسی طرح تمام ستارے اپنی گردش کو قائم رکھتے ہوئے کسی نہ کسی طرف کو بھاگ رہے ہیں، کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سکنڈ، کسی کی ۸۴ میل فی سکنڈ، اسی طرح تمام ستارے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

یہ ساری حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہے، نہ ان میں باہم کوئی ٹکراؤ ہوتا اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا، زمین کی حرکت سورج کے گرد ہر درجہ منضبط ہے، اسی طرح اپنے محور کے اوپر اس کی گردش اتنی صحیح ہے کہ صدی کے اندر بھی اس میں ایک سکنڈ کا فرق نہیں آنے پاتا، زمین کا سیارہ جس کو چاند کہتے ہیں، اس کی گردش بھی پوری طرح مقرر ہے، اس میں جو تھوڑا سا فرق ہوتا ہے، وہ بھی ہر ۱۸ سال کے بعد نہایت صحت کے ساتھ دہرا دیا جاتا ہے، یہی تمام اجرام سماوی کا حال ہے، حتیٰ کہ ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق اکثر خلائی گردش کے دوران ایک پورا کہکشانی نظام، جو اربوں متحرک ستاروں پر مشتمل ہوتا ہے، دوسرے کہکشانی نظام میں حرکت کرتا ہوا داخل ہوتا ہے، اور پھر اس سے نکل جاتا ہے، مگر باہم کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔۔۔۔اس عظیم اور حیرت انگیز تنظیم کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ اپنے آپ نہیں قائم ہے بلکہ کوئی غیر معمولی طاقت ہے، جس نے اس اتھاہ نظام کو قائم رکھا ہے۔

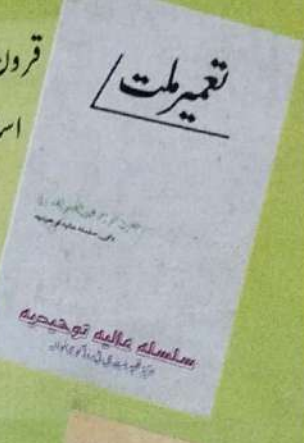
یہی ضبط و نظم جو بڑی بڑی دنیاؤں کے درمیان نظر آتا ہے، وہی چھوٹی دنیاؤں میں بھی انتہائی مکمل شکل میں موجود ہے، اب تک کی معلومات کے مطابق سب سے چھوٹی دنیا ایٹم ہے،

ایٹم اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ کسی بھی خورد بین سے نظر نہیں آتا، حالانکہ جدید خورد بین کسی چیز کو لاکھوں گنا بڑھا کر دکھانے کی صلاحیت رکھتی ہے، ایٹم کی حقیقت انسانی قوت بصارت کے اعتبار سے ''لاشے'' سے زیادہ نہیں، مگر اس انتہائی چھوٹے ذرے کے اندر حیرت انگیز طور پر ہمارے شمسی نظام کی طرح ایک زبردست گردشی نظام موجود ہے، ایٹم برق پاروں کے ایک مجموعے کا نام ہے، مگر یہ برق پرے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ ان کے درمیان ایک طویل خلائی حجم ہوتا ہے، سیسہ کا ایک ٹکڑا جس میں ایٹمی ذرات کافی سختی اور مضبوطی کے ساتھ آپس میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں، یہ برق پارے حجم کے سو کروڑ حصوں میں سے ایک حصہ بھی مشکل سے گھیرتے ہیں، بقیہ حصے بالکل خالی ہوتے ہیں، اگر الکٹرون اور پروٹون کی دو ٹکڑوں کی حیثیت سے تصویر بنائی جائے تو دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۳۵۰ گز ہوسکتا ہے یا ایٹم کا تصور گرد کے ایک غیر مرئی ذرہ کی حیثیت سے کیا جاسکے تو الکٹرون کی گردش سے جو حجم بنتا ہے، اس کی مقدار ایک ایسے فٹ بال کی سی ہوسکتی ہے، جس کا قطر آٹھ فٹ ہو۔

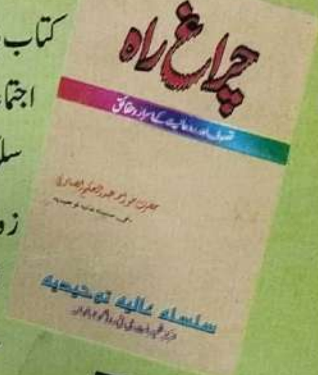
ایٹم کے منفی برق پارے جو الکٹرون کہلاتے ہیں، وہ مثبت برق پرے کے گرد گھومتے ہیں، جن کو پروٹون کہا جاتا ہے، یہ برقیے جو روشنی کی کرن کے ایک موہوم نقطہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، اپنے مرکز کے گرد اسی طرح گردش کرتے ہیں، جیسے زمین اپنے مدار پر سورج کے گرد گردش کرتی ہے، اور یہ گردش اتنی تیز ہوتی ہے کہ الکٹرون کا کسی ایک جگہ تصور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے، گویا وہ پورے مدار پر ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہے، وہ اپنے مدار پر ایک سکنڈ میں ہزاروں ارب چکر لگالیتا ہے۔

یہ ناقابل قیاس اور ناقابل مشاہدہ تنظیم اگر سائنس کے قیاس میں اس لئے آجاتی ہے کہ اس کے بغیر ایٹم کے عمل کی توجیہہ نہیں کی جاسکتی تو ٹھیک اسی دلیل سے آخر ایک ایسے ناظم کا تصور کیوں نہیں کیا جاسکتا جس کے بغیر ایٹم کی اس تنظیم کا برپا ہونا محال ہے۔ (جاری ہے)

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



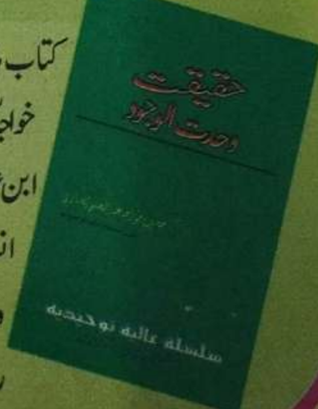
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اوراخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔